

بابا غلام شاہ بادشاہؒ

(تاریخ، شخصیت، کرامات)

ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی



باباغلام شاہ بادشاہؒ

(تاریخ، شخصیت، کرامات)

ڈاکرذاکرملک بھلیسی

Baba Ghulam Shah Badshah (R)

by

Dr. Zakir Malik Bhallesi
malikshaheen@gmail.com

ISBN: 978-93-90143-74-0
Year of Publication : 2021

نام کتاب	: باباغلام شاہ بادشاہ: تاریخ، شخصیت، کرامات
مصنف	: ڈاکٹرذاکرملک بھلیسی
کمپوزنگ	: یاسر حسین ملک
سنہ اشاعت	: 2021
تعداد	: 1000
قیمت	Rs 200:
صفحات	121:

پتہ

ڈاکٹرذاکرملک بھلیسی

اُردو آشیانہ، سب رنگ سکیور رہائشی کمپلکس

باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی، راجوری (جموں و کشمیر)185234

****

اُردو گھر، محلہ اُردو، نزد پی ڈبلیو ڈی دفتر، ترتھلو گندو بھلیسہ (ڈوڈہ)

انتساب

اللہ تعالیٰ کے نام جس نے انسان کو لفظ و معنی کا شعور عطا کیا۔

حضرت باباغلام شاہ بادشاہ کے نام جن کی عقیدت نے میرے قلم کو جنبش بخشی اور ایک کتاب وجود میں آئی۔

اپنے اساتذہ ووالدین محترم غلام حسین ملک درد پیامی، سابق لیکچرار انگریزی اور والدہ محترمہ مرسا بیگم کے نام جن کی تعلیم و تربیت اور دعاؤں سے میں چمنستان علم میں سانس لینے کے قابل ہوا۔

میری شریکِ حیات محترمہ مبینہ کوثر اور دو بیٹوں ذیان ملک اور ریان ملک کے نام جن کی مدد اور تعاون کی وجہ سے میں لکھنے پڑھنے کا کام کرپاتا ہوں

فہرست

پیش لفظ

دنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں ہر شخص اپنا اچھا یا بُرا رول ادا کر کے موت کے پردے کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جن لوگوں نے زندگی کا سفر طے کیا ہے وہ دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ چونکہ پورا کائناتی نظام اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کے تحت چل رہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق زندگی گزارنا ہی انسان کا مقصد ہونا چاہیے۔ کائنات کو وجود میں لانے کے بعد حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر آخری نبی حضرت

محمد ﷺ تک بہت سے پیغمبر دنیا میں محض اس لئے مبعوث فرمائے گئے تا کہ وہ انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں۔ نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، تابعین، تبا تابعین، بزرگانِ دین اور اولیائے کرام نے دین کی تبلیغ اور نشرواشاعت کا سلسلہ جاری رکھا جس کے نتیجے میں وہ برگزیدہ وبرتر ہستیاں اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام و اکرام کی مستحق قرار پائیں۔

دنیا کے مختلف مما لک میں سینکڑوں اولیائے کرام کے مزارات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی اطاعت وبندگی اور تبلیغ دین کی خاطر وہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا کہ ان کا نام و کام روز قیامت تک زندہ رہے گا۔ ہمارے ہندوستان میں بھی اولیائے کرام کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہوئے اصل کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ انہی اولیائے کرام میں باباغلام شاہ بادشاہ بھی ہیں جو خطہ پیر پنچال کے ضلع راجوری کی تحصیل تھانہ منڈی کے روح پرور مقام شاہدرہ شریف میں زیارت کی صورت میں آرام فرما ہیں۔ اُس روحانی شخصیت کی حیات دینی تبلیغ اور کارناموں کو اگرچہ کچھ اشخاص نے کتابی صورت میں محفوظ کیا بھی ہے لیکن اس کے باوجود اللہ کے ولی باباغلام شاہ بادشاہ کے کچھ روحانی کمالات کو حقائق اور تاریخی ترتیب کے ساتھ منظر عام پر لانے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی

تھی۔ چونکہ انٹرنیٹ کا زمانہ ہے اس لئے ایسے دور میں کوئی ضخیم تاریخی دستاویز پڑھنے کے لئے اہل علم طبقہ تیار نہیں ہوتا ہے۔اس ضرورت کے پیش نظر باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کے ایک محنتی،باذوق اور فعال رکن کہ جنھیں روحانی وتاریخ ساز شخصیات کو پڑھنے ، سمجھنے اور اُن پر لکھنے کا شوق ہے،میری مراد عزیزم ذاکر ملک بھلیسی سے ہے۔انھوں نے بڑی محنت اور علمی جذبے سے سر شار ہو کر"بابا غلام شاہ بادشاہؒ (تاریخ ، شخصیت ، کرامات)" کے عنوان سے ایک ایسی کتاب لکھ ڈالی ہے جس کی فہرست مضامین اس بات کا ٹھوس ثبوت پیش کرتی ہے کہ ذاکر ملک بھلیسی نے اپنے ذاتی مسائل ومصروفیات کے باوجود ایک مفید،بصیرت افروز اور اخلاقی وروحانی شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں کو کتابی صورت میں محفوظ کردیا ہے۔میں کم سنی سے ہی بہتر کام کرنے والوں اور بالخصوص قلمکاروں کا قدردان رہاہوں۔میری خوشی اُس وقت دوبالا ہوجاتی ہے جب میرے سامنے کوئی صاحب کتاب آتا ہے۔

ذاکر ملک بھلیسی کی یہ کتاب مطالعے سے تعلق رکھتی ہے۔آج کل کے سوشل میڈیائی دور میں ایسی کتابوں کی اشد ضرورت ہے جن کے مطالعے سے ہماری نوجوان نسل میں اخلاق و کردار سازی کی رمق پیدا ہوسکے۔میں مذکورہ کتاب کے مصنف ذاکر ملک بھلیسی کواس نئی کتاب پر

مبارک باد دیتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ان کا قلم علم وادب کے موتی بکھیرتا رہے!

پروفیسر اکبر مسعود
وائس چانسلر
باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی راجوری (جموں و کشمیر)
18 مئی 2021 عیسوی

☆☆☆

تقریظ

ڈاکٹر لیاقت نیرؔ
(باباغلام شاہ بادشاہ یونی ورسٹی، راجوری، جموں کشمیر)

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ نا قدری تخلیقی احساس اور اظہار کو پژمردہ کر دیتی ہے۔نا قدرے معاشرے میں ادب اور تہذیب کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ یہاں اہل ہنر کی قدر و قیمت نہیں ہے۔مادی معاشرت کی وجہ سے ہنر مند افراد اُس قدر

ومنزلت سے محروم ہو جاتے ہیں جو اُنھیں معاشرے سے ملنی چاہیے۔

بہت عرصے سے ہندوستان میں اردو کے فروغ اور اس زبان کو درپیش مسائل کا واویلا جاری وساری ہے۔ کہا جارہاہے کہ ہمارے اداروں نے اردو زبان کے فروغ کے لئے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔مختلف اداروں، کمیشنوں اور اکادمیوں کے ذمے داران اپنے سالانا جلسوں میں حصولیابیوں کے دعوے کرتے رہتے ہیں۔ مگر محبان اردو کی تشویش روز بروز بڑھ رہی ہے۔ایسے حالات میں خود احتسابی کی اشد ضرورت ہے۔ایک طرف اعلی عہدوں پر فائز ہونے کے لئے،سیاسی جوڑ توڑ،اردو زبان کے مفاد سے سمجھوتا، کچھ لوگوں کا سیاسی ایوانوں میں باریابی اور اردو کے نام پر فرمودات کا نفاذ اور واگزار رقومات کا ایسا استعمال کہ جس سے زبان کی کم اور شخصیات کی خدمت زیادہ ہو رہی ہے۔اداروں میں برادری ازم اور منظور نظر لوگوں کی بھرتیاں اور ایسے بھرتی ہونے والوں کا کام اپنے آقاوں کے ارشادات پر ایمان لانا اور اقرار کرنا ہی ہوتا ہے۔فنڈس کے استعمال میں ہم خیال لوگوں کو نوازنا اور میرٹ سے انحراف کرنا ایک طرف۔دوسری طرف ہندوستان میں سیاسی حالات بھی اس وقت اردو کے موافق نہیں ہیں۔ایسے حالات میں منصوبہ سازی، جنوں اور اردو کے ساتھ عشق کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اب کہ فرزانوں کی نہیں دیوانوں کی ضرورت

ہے۔اردو کاایساہی دیوانہ شخص گلابی رنگ، کتابی چہرا، درمیانہ قد پُر کشش آنکھوں پر کالا کالا چشمہ، تابندہ پیشانی، زندہ دل، نوجوان، سوٹ بوٹ میں ملبوس، اس ہاوباواور اس نقش و نگار کا کوئی شخص آپ کو اگر باباغلام شاہ باد شاہ یونی ورسٹی میں مل جائے تووہ اپنانام بتائے گا۔۔۔۔ذاکرملک بھلیسی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ اس علاقے میں اردو کا ایک اور جیالہ پیدا ہوا ہے۔جو بہت منظم، باصلاحیت اور تعلیم یافتہ ذہن رکھتا ہے۔جو ادب کی آبیاری کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کر رہا ہے ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی نے تو انگریزی زبان میں کئی کتابیں مرتب کی ہیں لیکن اُن کی اردو کی پہلی کتاب " دانش گاہ " ہے اس کتاب کی اشاعت اور مقبولیت نے ہمت بندھائی۔ پھر "ہر دل عزیز،، دوسری کتاب پر طبع آزمائی شروع کر دی۔ان دونوں خوبصورت کتابوں کی پیہم اشاعت نے کام کے مزید اسباب و مسائل جمع کر دیئے۔ایک عزم پیدا ہو گیا کہ اب شہنشاہ جبال باباغلام شاہ بادشاہ کی حیات اور خدمات پر ایک کتاب لکھی جائے۔ پھر یہ ارادہ ترک کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد خواب میں بشارت ہوئی کہ "اس کام کو جلد از جلد مکمل کرو،، اس طرح اُن کی تیسری کتاب "باباغلام شاہ بادشاہ: تاریخ، شخصیت، کرامات ،، بھی الحمد اللہ مکمل ہو گئی۔ بحر حال خطہ پیر پنچال روحانی اعتبار سے بھی بڑا زرخیز رہا ہے۔یہاں باباغلام شاہ بادشاہ کے علاوہ سائیں میراں بخش، سائیں

الٰہی بخش، سائیں گنجی بادشاہ، پیر سید حیدر شاہ صاحب، پیر سید حبیب اللہ شاہ بخاری، شاہ عبد القادر گیلانی خانقاہی پونچھی اور پیر سید عطر شاہ صاحب مرحوم و مغفور جیسے لوگ ہوئے ہیں۔ آج بھی ان بزرگوں کے مزارات ایکتا اور اکھنڈ تا کی عمدہ مثالیں ہیں۔

بحر حال بابا غلام شاہ بادشاہ کی حیات اور خدمات پر جناب اسیر کشتواڑی، جناب کے ڈی مینی اور پروفیسر بشیر ماگرے صاحب نے بھی کتابیں لکھیں ہیں اور کچھ مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔ مگر ان پر مزید کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔اس کتاب کی اشاعت کا مقصد نہ تو حصول زر ہے اور نہ ہی نام و نمود۔ بلکہ نئی نسل کو اسلاف کے کارناموں سے روشنا کروانا ہے۔ حالات ساز گار ہوں یا نہ ہوں محترم ذاکر ملک بھلیسی نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ وہ ہمت اور استقلال کے ساتھ حالات کو اپنے موافق بنا لیتے ہیں۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے بھلیسی نے اپنی عظمت، اخلاق اور مساوات سے لوگوں کے دلوں کو جیتا ہے اور خطہ پیر پنچال نے بھی ان کے لئے اپنی آغوش محبت کھول دی ہے۔ان کو عزت اور احترام کا بلند مقام عطا کیا ہے۔اس علاقے کی گلریز وادیوں نے ان کے پاوں چومے ہیں۔ یہاں کے سنگلاخ پہاڑوں نے بھی جھک کر اپنے ہونہار قلم کار کے قدموں کو بوسے دیئے ہیں۔ بدلے میں ذاکر ملک بھلیسی نے بھی یہاں کے

ذرّے ذرّے سے پیار کیا ہے۔سب کو گلے لگایا ہے۔صداقت ،اخوت اور پیار و محبت کا درس دیا ہے۔یہاں کی تعمیر و ترقی میں اپنی صلاحیتیں اور اپنی ذہانت صرف کی ہے۔ان کی نئی کتاب "باباغلام شاہ بادشاہ" باباغلام شاہ بادشاہؒ (تاریخ، شخصیت، کرامات)،، بہت معیاری ہے۔اس کتاب کی مختلف تحریریں کہیں خون جگر سے اور کہیں آنسوؤں کی روشنائی سے لکھی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور اچھا ہے کہ خون جگر سے لکھی ہوئی تحریریں کبھی نہیں مٹتیں۔ نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر۔یہ خوب صورت سی کتاب قصہ درد دل بھی ہے اور حق وصداقت کی تحریر بھی۔ تاریخ بھی ہے، حدیث دلبراں بھی اور ساتھ ہی ساتھ خدمت لوح و قلم بھی۔اُمید ہے کہ ڈاکٹر ذاکر ملک حق گوئی وبے باقی، جاں فروشی وپامردی کی روایت کو ہمیشہ زندہ و پائندہ رکھیں گے۔مجھے اللہ رب العزت سے پوری اُمید ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کے طول و عرض میں جائے گی اور مقبولیت کی منزلیں پائے گی۔ہندوستان کے اہل علم اور تعلیمی حلقوں میں اس کی ضرور پزیرائی ہو گی۔بحرحال یہ کام آسان نہیں تھا۔

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

☆☆☆

حرفِ اول

انٹرنیٹ کے زمانے میں لوگ کتابوں سے دور ہوتے جارہے ہیں اور کسی بھی شخص کے پاس اب اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ ضخیم کتابوں کا مطالعہ کرکے معلومات حاصل کرے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ کی شخصیت کے حوالے سے یہ چھوٹی سی کوشش کی اور کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے کا کام کیا جس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کم وقت میں آپ حضرت باباغلام شاہ بادشاہ کی شخصیت کو جان پائیں۔

یوں تو حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ کے بارے میں کئی ادیبوں،

مورخوں اور قلم کاروں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ کچھ باتوں پر تضاد بھی پایا جاتا ہے جبکہ بیشتر مورخوں، قلمکاروں اور مصنفین نے حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ کے حالات واقعات کاذکرایک جیسا کیا ہے۔

جہاں مرزاظفراللہ خان نے تذکرہ بے مثلِ راجگانِ راجور کتاب میں بادشاہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے وہیں دیوان کرپارام نے گلاب نامہ، محمد دین فوق نے تاریخ پونچھ، ڈاکٹر بشیر ماگرے نے مونو گراف 2007اور شہنشاہ جبال، طاہر خورشید رینہ نے باباغلام شاہ یونیورسٹی ڈریم کم ٹرو، خوش دیو مینی نے تاریخ پونچھ اور راقم نے کتاب دانش گاہ (یونیورسٹی کی تاریخ) میں حضرت باباغلام شاہ بادشاہ کا تفصیلی ذکر کیا وہیں شہاب الدّین ملک، غلام احمد ڈار، ڈاکٹر ماہر القادری اور کامریڈ غلام قادر میر کے علاوہ کئی دیگر قلمکاروں نے کتابچے بھی شائع کئے اور ولی محمد اسیر سمیت کئی مصنفین نے ضخیم کتابوں میں بادشاہ کے بارے میں لکھا لیکن میں نے اس کتاب میں اُن تمام کتابوں کا نچوڑ نکال کر قارئین کے لئے ایسامواد تیار کیا جس کو کم وقت میں پڑھا جاسکتا ہے اور حضرت باباغلام شاہ بادشاہ کی شخصیت، ان کی علمی، دینی، سماجی اور ملی خدمات کے متعلق جانکاری حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس کتاب میں حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ کی شخصیت کے ساتھ ساتھ راجوری ضلع میں وقف جائیداد کے حوالے سے بھی بات کی گئی ہے اور باقی زیارتوں، مساجد اور اوقاف اسلامیہ راجوری کے انتظامی زیر تحویل

جائیداد کا بھی سرسری جائزہ لیا گیا ہے تاکہ لوگ اوقاف اسلامیہ کی اراضی ودیگر جائیداد کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر سکیں۔

اس کے علاوہ اوقاف اسلامیہ کے منتظمین کے متعلق بھی جانکاری دی گئی ہے تاکہ قارئین یہ سمجھ پائیں کہ جو نیاز و نذرانہ وہ ان زیارتوں پر چھڑاتے ہیں اس کا کس طرح استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی دیکھ ریکھ کون کرتا ہے۔

میں نے راجوری کی سرزمین پر روزگار کے سلسلے میں 2005ء میں قدم رکھا اور حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ کے نام سے منسوب یونیورسٹی کی اُس پہلی ٹیم کا حصہ بنا جس نے بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کے خواب کی تعبیر نکالنے میں دن رات ایک کیا تھا۔ اسی زمانے میں مجھے پہلی بار شاہدرہ شریف میں حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ کے مزار پر حاضری دینے کا موقع ملا۔ میں نے اس زیارت کی ترقی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور اس میں زائرین کی تعداد بھی کئی سو گناہ بڑھتے دیکھا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کے اندر اس زیارت کے لئے عقیدت بھی بڑھ گئی ہے اور زیارت کی آمدن میں بھی سو فیصد اضافہ ہوا ہے۔

حالانکہ میں نے 2005ء میں ہی ارادہ کر لیا تھا کہ میں حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ کی شخصیت پر ایک کتاب لکھوں گا اور اس ضمن میں کچھ کام بھی شروع کیا تھا لیکن بعد میں یونیورسٹی کے کام کاج میں مصروفیت کی

وجہ سے اس عمل کو آگے نہیں بڑھا پایا۔

2021ء عیسوی میں ایک رات کو خواب میں مرحوم محترم عنایت حسین بابا آگئے جو بھدرواہ کے رہنے والے تھے اور اوقاف اسلامیہ راجوری میں اُنکا کردار بطور ایڈمنسٹریٹر تاریخی رہا ہے۔ انھوں نے خواب میں بتایا کہ حضرت باباغلام شاہ بادشاہ چاہتے ہیں کہ جو کام آپ نے 2005ء میں شروع کر کے ادھورا چھوڑا تھا اُس کو پورا کرو۔ اب کیا کام تھا اس کا انھوں نے کوئی اشارہ نہیں دیا اور یہ کہہ کر وہ بھلیس کے چنگاہ میں واقع جامع مسجد میں داخل ہو گئے۔

جب میں نیند سے بیدار ہوا تو خود کو بھلیس میں نہیں بلکہ راجوری کی بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کے میرے کواٹر (اردو آشیانہ) میں پایا۔ مرحوم عنایت بابا کی تازہ شکل ابھی تک آنکھوں میں تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں بھلیس سے راجوری کب پہنچا۔ جب یہ سمجھ میں آیا کہ خواب تھا تو مرحوم عنایت حسین بابا صاحب کی بات پر غور کرنے لگا۔ 16 سال قبل وہ کیا کام تھا جو ادھورا چھوڑا تھا، اس کی سمجھ کچھ دن تک نہیں آئی۔ یہاں آدمی کو شام کا کھایا ہوا صبح تک بھول جاتا ہے تو مجھے بھلا 16 سال پہلے کا کام کیسے یاد رہتا۔

اس خواب کو ایک معمول کے مطابق دیکھے جانے والے خوابوں کی فہرست میں ڈال دیا اور بھول گیا کہ کوئی خواب ایسا بھی دیکھا تھا۔ فروری

2021ء کے مہینے میں میرے دونوں بچوّں زیان ملک اور ریان ملک کا جنم دن ہوتا ہے اور اسی سلسلے میں ان کی پیدائش کے فوٹو تلاش کرنے کتابوں کی الماری میں جھانکا اور لگے ہاتھوں غیر ضروری کاغذات بھی ہٹانے لگا تو اسی دوران پرانے کاغذات میں وہ کاغذات بھی برآمد ہوگئے جن پر میں نے حضرت باباغلام شاہ بادشاہ کی کچھ تفصیل نوٹ کی تھی۔ پھر وہ خواب کی بات بھی یاد آئی تو سمجھ میں آنے لگا کہ شاید وہ کام یہی ہوگا جو مجھ سے ادھورا رہ گیا تھا۔ میں نے اُسی وقت ارادہ کیا کہ مجھے حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ کی شخصیت پر اسِ کتاب کو مکمل کرلینا چاہئے لیکن پھر وہی بات آ گئی کہ جب حضرت باباغلام شاہ بادشاہ کی شخصیت پر اتنا کچھ لکھاجاچکاہے تواس کتاب کو لوگ کیوں پڑھیں گے۔ پھر فیصلہ ہوا کہ اس میں صرف ضروری تفصیلات کور کھاجائے تا کہ جدید انٹرنیٹ کے اس دور میں لوگ تھوڑاوقت نکال کر اس کو پڑھ بھی پائیں۔ اسی وجہ سے صرف اہم حالات وواقعات کاذکر کیا گیا۔

اس کتاب سے قبل میری کچھ انگریزی اوردواردوزبان میں کتابیں "دانش گاہ" اور "ہر دلعزیز" منظر عام پر آئی ہیں جن میں اس کتاب کی طرح ہی عام فہم زبان کو استعمال کیا گیا ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی کہ میں نہ تو اُردو کا ادیب ہوں نہ شاعر اور نہ ہی میں خود کو اردو کے قلمکاروں کی فہرست میں شمار کرتا

ہوں۔ جو میں لکھتا ہوں وہ ادبی زبان نہ سہی لیکن عام بول چال کی زبان ضرور ہے اور میں اس کو اپنی کمزوری نہیں بلکہ اپنی مضبوطی سمجھتا ہوں۔ یہ بات میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کیونکہ میں سائنس کا طالب علم رہا ہوں اور اُردو کے ساتھ دسویں کلاس کے بعد کوئی واسطہ نہیں پڑا تھا لیکن صرف اُردو کی محبت کی وجہ سے اُردو پڑھنے، سمجھنے اور لکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور میری یہ کوشش جاری رہے گی۔

اس کتاب کو آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے میں جن جن لوگوں نے مجھے وقت وقت پر معلومات فراہم کیں اور جن کی کتابوں سے میں نے استفادہ حاصل کیا میں اُن تمام کا مشکور و ممنون ہوں۔ میں اوقاف اسلامیہ راجوری اور شاہدرہ شریف کی انتظامیہ کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے معلومات فراہم کرنے میں مدد کی۔

انسان بشر ہے۔ غلطیاں ہر ایک سے ہوتی ہیں۔اس میں بھی غلطیاں رہ گئی ہوں گی لیکن مجھے امید ہے آپ مجھے معاف کریں گے

ذاکر ملک بھلیسی

مصنف

راجوری /2اپریل 2021عیسوی

خطۂ پیر پنچال

راجوری پونچھ علاقے کو پیر پنچال خطہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ لفظ پیر، ڈوگری اور پہاڑی دونوں زبانوں میں مستعمل ہے جس کا اطلاق پہاڑی کی چوٹی کے لئے ہوتا ہے۔ کشمیری میں پنچال کو پانڑال بل کہا جاتا ہے اور پیر پنچال کے دونوں اطراف کے کشمیری النسل اسے اسی نام سے جانتے ہیں۔ پانڑال بل بمعنی اونچی جگہ البتہ مسٹر دریو کا خیال ہے کہ پیر پنچال میں پیر کا لفظ اسی پیر کی وجہ سے متعارف ہوا ہو گا جس کا ذکر مسٹر برنئیر نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے کہ اس پہاڑی پر ایک عجیب وغریب طاقتوں والا شخص تھا جو

عجیب عجیب کرتب دکھایا کرتا تھا جبکہ سینہ بہ سینہ چلی آرہی روایتوں کے حوالے سے کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ وہ شخص شیخ احمد کریم ہے جس کا مزار شاہراہِ مغل پر اس برفانی درے میں ہے جسے پیر گلی یا پیر کی مرگ کہا جاتا ہے جو اصلاً ایک ہندو جوگی تھا جو شیخ العالم حضرت شیخ نورالدّین نورانی رحمت اللہ علیہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ جبکہ دیگر مورخین نے سید علی ہمدانی رحمت اللہ علیہ کے ہاتھوں اس کا مسلمان ہونا لکھا ہے۔

پیر پنچال میں اس وقت دو ضلعے ہیں۔ راجوری اور پونچھ۔ راجوری ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کے مشرق میں پیر پنچال کی طویل القامت اور خوبصورت برفانی چوٹیاں اور اس کے دامن میں چھوٹی چھوٹی زرخیز وادیاں، اُبلتے چشمے، پہاڑی ڈھلوانوں پر خوبصورت انسانی بستیاں، انواع واقسام کے جنگلات اور پیر پنچال کی برفانی پہاڑیوں سے نکلنے والی مقامی ندی نالے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جو اس خطے کی زرعی پیداوار و زرخیزی اور خوشحالی میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔ راجوری شہر اوراس کے گردونواح کی آب وہوا اور موسم جموں اور وادی کشمیر کے مقابلے میں ہمیشہ معتدل و متوازن رہتا ہے، جبکہ پیر پنچال کے دامن میں واقع دہرہ گلی، تھنہ منڈی، درہال، پیڑی وغیرہ کے بالائی علاقے اور کنڈی بدھل و دریااس کے ارد گرد کا سارا علاقہ سرد اور موسمی لحاظ سے وادی کشمیر سے مماثلت رکھتا ہے۔ البتہ نوشہرہ،

کالا کوٹ ، کانگڑی، بھجوال (سندر بنی) دھرم سالا وغیرہ کا موسمی میقات جموں کے علاقوں سے زیادہ میل کھاتا ہے۔

یہ خط بہت بلند وبالا، خوبصورت ، قدرتی مناظر اور مرغزاروں سے مالامال ہے، پیر پنچال کی چوٹیوں پر صاف پانی کی بہت ساری جھیلیں ہیں، جن میں سکھ سر، نیل سر، پہاگ سر، کٹوریہ سر، سمرسر اور نندن سر وغیرہ بہت طویل اور مشہور جھیلیں ہیں، چونکہ ان چوٹیوں تک سڑک یا دیگر کسی قسم کی سواری کی سہولت دستیاب نہیں اس لئے عام لوگوں کی یہاں آمدورفت نہیں ہو پاتی البتہ تحقیقی ذوق کے لوگ یا چرواہے موسم گرما میں ان علاقوں میں آتے جاتے رہتے ہیں، اگر سیاحوں کے لئے ان علاقوں تک روڈ کی تعمیر یا ہوائی سروس و گنڈولے وغیرہ کا انتظام ہو جائے تو فی الواقع ان جگہوں کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ خوبصورت و پرسکون اور قدرتی مناظر سے مالامال نادر ونایاب سیاحتی مقامات میں ہو۔

☆☆☆

شاہدراہ شریف

شاہدرہ تحصیل تھانہ منڈی اور ضلع راجوری کا ایک گاؤں ہے جس کے ساتھ احترام کے طور پر شریف کا لفظ جوڑا گیا کیونکہ یہ وہ گاؤں ہے جہاں حضرت باباغلام شاہ بادشاہؒ نے قیام کر کے تبلیغ کا سلسلہ آگے بڑھایا تھا۔

بادشاہ کی زیارت ریاست جموں و کشمیر کے متبرک ترین آستانوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ آستان شریف پیر پنچال کے مغربی ڈھلانوں میں رتن پیر پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع ہے جو ایک صحت افزا مقام ہے۔ یہ زیارت

شریف راجوری قصبہ کے عین شمال میں واقع ہے۔

شاہدرہ شریف جموں سے 180 کلومیٹر، سرینگر سے براستہ مغل روڈ 160 کلومیٹر، پونچھ سے 68 کلومیٹر، راجوری قصبہ سے 34 کلومیٹر دور ہے جب کہ تھانہ منڈی تحصیل کے صدر مقام سے ساڑھے 5 کلومیٹر شمال مغرب کی جانب پڑتا ہے۔ سطح سمندر سے اس مقام کی بلندی کوئی 57سو فٹ ہے۔ یہاں کا درجہ حرارت 22ڈگری سلسیس سے نیچے ہی رہتا ہے۔

اس وقت شاہدرہ شریف کو دو پختہ سڑکوں سے ملایا گیا ہے یعنی ایک سڑک پونچھ کی طرف سے آتی ہے اور سرنکوٹ ڈیرہ گلی تھنہ منڈی سے ہوتے ہوئے 67 کلومیٹر لمبائی پوری کر کے شاہدرہ شریف سے جاملتی ہے جبکہ دوسری سڑک جموں کی طرف سے آتی ہے اور راجوری تھانہ منڈی سے گزر کر شاہدرہ شریف چلی جاتی ہے۔ زیارت شریف کے مشرق کی جانب پہاڑی کا نام متونکا بتایا جاتا ہے اور ساتھ ہی بھنہ گائی گاؤں پڑتا ہے۔ مغرب کی جانب بگلان اور کوپرا پہاڑی آتی ہے شمال کی جانب علاقے کا خوبصورت مقام دہرہ گلی اور چریڑ گلی و نیزہ پہاڑ پڑتے ہیں جہاں سے حضرت غلام شاہ بادشاہؒ وارد ہوئے تھے جبکہ جنوب کی جانب مجہور اور ڈیری گاوں آباد ہیں۔ علاقہ شاہدرہ شریف میں زیارت شریف کا سبزہ رنگہ کمپلس سونے کی انگوٹی میں فیروزے کے ٹکرے کی طرح چمکتا دمکتا دیکھائی دیتا ہے۔ شاہدرہ

ابتدائی طور پر سینہ درہ کے نام سے مشہور تھا سینہ درہ کا مقامی زبان میں مطلب سینہ ، یعنی شیر ، درہ یعنی مسکن ، گویا شیروں کے رہنے کی جگہ۔ یہاں بہت گھنا جنگل ہوا کرتا تھا جس میں شیر رہا کرتے تھے اس لئے اس کو سینہ درہ کہا جاتا تھا۔ بابا غلام شاہ بادشاہؒ کے یہاں آنے سے قبل یہ جگہ سینہ درہ کے نام سے ہی مشہور تھا جو رفتہ رفتہ شاہدرہ شریف کے طور پر مشہور ہوا۔ مغل روڑ کے کھلنے سے یہ علاقہ کشمیر سے مل گیا ہے۔

☆☆☆

باباغلام شاہ بادشاہؒ

باباغلام شاہ بادشاہؒ اُن عظیم صوفی بزر گ ہستیوں میں ہیں جن کا اسم گرامی شریف سید غلام علی تھااور باباصاحب کے لقب سے بھی آپ کو یاد کیاجاتا تھا۔ آپ کے والد ماجد کانام ادریس محمد شاہؒ اور والدہ کانام غلام فاطمہ تھا۔ آپ کے والد خود صاحب کشف و کرامت تھے جن کا مزار مبارک راولپنڈی (پاکستان) میں ہے۔ آپ کے دادا کا نام سید ایاز شاہ بتایا جاتا ہے۔ آپ نجیب العرٰفین سید تھے۔امام موسی کاظم مشہدی آپ کے جد امجد تھے تقریباً 30واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب امیر المومین حضرت علی سے

جاملتا ہے۔

آپ 1156ہجری میں بمطابق 1743ءمیں سید کسراواں تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی میں تولد ہوئے۔ آپ نے قرآن کریم کا درس حضرت ملا مصری سے لیا۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ بچپن ہی سے آپ سے کرامت ظاہر ہونے لگی تھی۔ آپ کا سلسلہ ءطریقت قادریہ ہے اور مسلک حنفی روحانیت کے مدارج حضرت امام بری شاہ لطیف کی زیر سرپرستی طے کئے لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ اپنے والد ماجد ہی سے بیت تھے۔

☆☆☆

جائے پیدائش سیدو کسراواں

باباؒ کا جنم سیدو کسراواں، پاکستان میں ہوا۔اس گاؤں کے بارے میں کتاب شہنشاہِ جبال میں لکھا ہے کہ سیدو کسراواں آجکل دو بڑے گنجان آباد گاؤں پر مشتمل ہے۔پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد سے لاہور،اسلام آباد شاہراہ پر ایک اہم سٹیشن آتا ہے جسے ماندرہ موڑ کہتے ہیں۔ماندرہ موڑ اسلام آباد سے 48 کلومیٹر دور آتا ہے۔یہاں سے ایک سڑک چکوال ضلع ہیڈ کواٹر کو جاتی ہے۔ماندرہ سے 38 کلومیٹر کی دُوری پر سید گاؤں آتا ہے جو کہ مین سڑک سے ساڑھے چار کلومیٹر بائیں طرف ایک لنک روڈ پر واقع

ہے اور اسی ماندرہ چکوال روڈ پر 41 کلو میٹر کے فاصلے پر سید سے آگے گاؤں کسراواں صرف تین کلو میٹر ٹھیک بائیں جانب ایک اور لنک روڈ سے جڑا ہوا ہے۔ اگر چکوال سے ماندرہ کی طرف آنا ہو تو کسراواں کا فاصلہ 29 کلو میٹر ہے اور اس طرح سید کا فاصلہ 35 کلو میٹر ہے۔ سید اور کسراواں کے شمال میں عین سڑک کی دوسری جانب گاؤں پنج گرائیں بان والی اور گاؤں کریالہ پڑتا ہے۔ جنوب کی طرف ذرا سا دور سکھو گاؤں جو کہ اب ایک تحصیل ہیڈ کواٹر ہے، اس کے ملحقہ گاؤں مشرق میں ماندرہ موڑ اور اس کے آس پاس کے گاؤں اور علاقے پڑتے ہیں۔ اور وہیں سے مغرب کی طرف ضلع ہیڈ کواٹر چکوال اور اس کے ملحقہ علاقے واقع ہیں۔ سید و کسراواں کی آبادی 2021ء میں تقریباً 10 ہزار افراد کے آس پاس ہے۔ یہ دو گاؤں اصل میں ایک ہی ہیں جو کہ 800 سال قبل آباد ہوئے اور بعد میں مشہد کے سادات یہاں آ کر بس گئے۔ ان ہی کی اولاد آجکل برصغیر کے طول و عرض میں دعوت و دین متین اور اشاعتِ اسلام میں محو عمل ہے اور ابھی بھی یہاں اس خاندان کے لوگ آباد ہیں۔

بچپن میں کرامات

روایت ہے کہ آپؒ کے والد ادریس شاہؒ نے بچپن میں بھائی کی جگہ آپ کو بکریاں چرانے کے لئے بھیجا تھا۔ آپ بکریوں کی ٹھیک طرح نگرانی نہ کر پائے۔ کہا جاتا ہے کہ آپؒ کو اسی اثناء میں نیند آ گئی یا پھر آپ عبادت میں مستغرق ہو گئے اور بکریوں نے ایک کسان کی کھیتی کو نقصان پہنچایا۔ جب آنکھ کھولی تو آپ بکریوں کو لے کر گھر چلے آئے۔ کسان نے کھیتی کی تباہی کی شکایت آپؒ کے والد سے کی اور حاکم کے دربار میں مقدمہ پیش کرنے کی دھمکی دی۔ ساتھ ہی ہرجانے کا مطالبہ بھی کیا۔ والد

ماجد نے آپ سے کہا کہ ہم نے تمھیں ایک دن اس کام پر لگایااور تم نے یہ نقصان کروایا۔ آپؒ نے فرمایا کہ کسان کا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔ کسان نقصان پر اڑارہااور غلام شاہ اس بات پر بضد رہے کہ کھیتی کا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے بلکہ اس میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کافی دیر بعد کے صورتحال معلوم کرنے کے لئے وہ کھیت پر پہنچے تو غلام علی شاہ کی بات سچ ثابت ہوئی۔اس واقع نے غلام شاہ کو خاصا مقبول کر دیا۔ کہاجاتا ہے کہ خود ان کے والد نے ان سے کہا کہ چونکہ تم نے وقت سے پہلے ہی بڑی کرامت دکھائی ہے لہٰذا یہاں اب تمہارا قیام ممکن نہیں۔ بعض لوگوں کاخیال ہے کہ آپ اس واقعہ کے فوراًبعد خود بخود گھر سے بھاگ گئے تھے۔

حضرت غلام علی شاہؒ گھر سے نکل کر روالپنڈی کے مشہور دربار پاک پٹن شریف پہنچ گئے جو بری لطیف صاحب کا دربار ہے۔ آپ وہاں دو سال تک رہے۔دوسال کی مسلسل روحانی محنت کے بعد آپ کو مرشد پاک کا "سینہ درہ'موجودہ شاہدرہ شریف جانے کا حکم ہوااور روحانی اعتبار سے راجوری پونچھ جموں کے علاقے کی نگرانی سپرد کی گئی۔مرشد پاک کے حکم پر آپ نے عرض کیا کہ اتنے دور دراز ویران جنگل میں جانا میرے لئے دشوار ہو گالیکن اس کے باوجود بھی دوبارہ مرشد پاک کا یہی حکم ہوا۔ آپ نے یکے بعد دیگرے تین باراسی طرح اصرار فرمایالیکن تیسری بار آپ کے

مرشد پاک نے آخری بار بھی یہی حکم کیا۔بہر صورت آپ کو سینہ درہ ویران جنگل میں جو شیروں کی قیام گاہ تھا جانا تھا۔ان کو حکم ملا کہ تم وہاں جا کر بیٹھ جاؤ جہاں زمین کھودنے پر آپ کو آگ ملے گی۔اس آگ سے وہاں لنگر چلانا خدا کے حکم سے یہ لنگر قیامت تک جاری رہے گا۔آپ کے مرشد پاک کا پورانام حضرت امام بری لطیف تھا جو جہلم اور روالپنڈی کے درمیان واقعہ گاؤں شاہانہ نور پور میں رہتے تھے اسی جگہ حضرت امام کا مزار شریف بھی موجود ہے۔آپ کے مرشد پاک نے بتایا کہ آپ نے بہت جلدی کردی ہے اس عمر میں اتنی بڑی کرامت دکھلانے کا وقت نہ تھا۔خیر اب آپ کے لئے حضرت غوث پاک کا حکم ملا ہے کہ پہاڑی علاقے میں چلے جاواور وہاں کے لوگوں میں دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے کام کریں۔مرشد پاک نے یہ بھی فرمایا کہ آپ یہ بکرا ساتھ لے جانا اور سینہ درہ کے جنگل میں جس جگہ شیر نظر آئے آپ بکرے کو چھوڑ دینا۔اگر شیر اور بکرا اکھٹے اس مقام کا چکر لگا کر غائب ہو جائیں تو آپ اس مقام کو کھودنا شروع کردینا۔اگر زمین کی تہہ سے آگ برآمد ہو تو سمجھ لینا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں آپ کی قیام گاہ ہے۔مرشد نے یہ بھی کہا کہ اس جگہ انگور کی بیل چڑھی ہو گی۔پھر یہ بھی کہا کہ سینہ درہ کا جنگل صاف کروا کر زمین تیار کرنا اور باضابطہ لنگر جاری کردینا۔

ہجرت و پونچھ آمد

آپؒ مرشد پاک کا حکم ملنے پر نور پور سے سینہ درہ کی تلاش میں چند ساتھیوں کے ہمراہ چل پڑے۔اوڑی (کشمیر) کے راستے علاقہ پونچھ میں داخل ہونے پر سب سے پہلے بانڈی چچیاں میں ٹھہرے جو پونچھ قصبے سے سات کلومیٹر دوری پر شمال مشرق میں نارلہ درنگی کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ بانڈی چچیاں گاؤں میں ایک تکیہ شریف موجود ہے۔وہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تکیہ یار شاہ کا ہے جنہوں نے دیوار کی سواری کر کے اسے چلایا تھا۔اس تکیہ سے تقریباً آدھے کوس کے فاصلے پر سکھوں کا متبرک آستان

ڈیرا سنت ننگالی صاحب واقع ہے جس کی بنیادیں 18ویں صدی میں اپنے وقت کے مشہور سنت نیالہ سنگھ جی نے رکھی تھی۔

بحرحال تقریباً سارے محقق اس بات پر متفق ہیں کہ پونچھ میں تشریف آوری کے بعد آپؒ نے پانچ سال بانڈی چچیاں میں قیام کر کے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سے روشناش کروایا تھا۔

☆☆☆

سرنکوٹ تشریف آوری

حضرت باباغلام شاہ بادشاہ ؒ بانڈی چچیاں سے بانڈیاں سرنکوٹ تشریف لے گئے جہاں دو سال ٹھہرے جہاں سے وہ آگے بڑھے اور شیند رہ پونچھ پہنچے۔ یہ گاؤں پونچھ خاص سے بارہ کلومیٹر مشرق میں سڑک کے کنارے واقع ہے یہاں لگ بھگ ایک سال گزارنے کے باوجود وہ نشانیاں ظاہر نہ ہوسکی جن کا مرشد پاک نے ذکر فرمایا تھا۔ لوگوں نے انہیں وہاں دائمی سکونت اختیار کرنے پر زور دیا تو باباصاحب رات کے اندھیرے میں

شیندرہ پونچھ چھوڑ کر پونچھ قصبے سے تقریباً اٹھارہ کلومیٹر کی دوری پر واقع لسانہ گاؤں پہنچے جہاں آپؒ نے دریا سرن کے کنارے پتھروں کے ایک ٹیلے پر جسے (ڈھیریاں) کہتے ہیں اپنی جھونپڑی تیار کر کے چلہ کشی شروع کی۔ تھوڑی دیر میں باباصاحبؒ کی شہرت سینہ درہ کی طرح یہاں بھی دور تک پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق آ کر فیض پانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت لسانہ کے علاقے میاں مصری نامی کے ایک بزرگ اپنی علمیت، لیاقت اور پاکبازی کے سبب کافی مشہور تھے۔ اسلئے باباصاحبؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درس اسلامی کی گزارش کی۔ میاں مصری صاحب کا گھر پہاڑ پر تھا اور باباصاحب کا تکیہ نیچے دریا کے کنارے پر اس لئے دونوں کی ملاقات گھر اور تکیہ کے درمیان ایک پتھر کی ڈھیری پر ہوا کرتی تھی جہاں پر مصری صاحب باباصاحب کو درس قرآن واحادیث دیا کرتے تھے۔ آخر میں میاں مصری نے اپنے اور اکلوتی بیٹی کا نکاح باباصاحب سے کروانا چاہا مگر جب بارات گھر سے نکلنے والی تھی تو اسی وقت مصری صاحب کی بیٹی وفات پا گئی۔ اس واقعے سے میاں صاحب اور ان کی رفیقہء حیات باباصاحب سے ناراض ہو گئے اور باباصاحب بھی دل برداشتہ ہو گئے۔

☆☆☆

سرن ندی میں طغیانی اور بابا کی کرامت

جس دوران بابا صاحب لسانہ میں تھے اسی دور میں ایک روز دریا سرن میں بہت بڑا سیلاب آیا اور باباصاحبؒ کے جائے مقام تک پہنچ گیا۔ درختوں کے انبار لگ گئے لوگ پریشان ہو گئے کہ شاید بابا صاحب بہہ گئے ہوں گے لیکن جب سب نے دیکھا تو حیران رہ گئے۔ چولہے میں آگ جل رہی تھی دُودھ ابل رہا تھا اور بابا صاحب قرآن مجید کی تلاوت فرمارہے تھے۔ تکیہ کی جگہ بالکل خشک تھی گویا کہ وہاں کوئی طوفان ہی نہیں آیا تھا۔

روایت ہے کہ لسانہ کے گاوں میں یہ طغیانی اسوج کے مہینے میں آئی تھی۔ اس وقت دریا کے دائیں بائیں شالی کی زمینوں میں شالی کے کنون (خوشے) لگے ہوئے تھے جو اس سیلاب میں کسانوں کی زمینوں کے ساتھ بہہ گئے تھے۔ جب کسانوں نے باباصاحب کے سامنے اپنی بربادی کی داستان سنائی تو آپ کو رحم آ گیا۔ کسانوں کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اللہ کارساز ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ کے شالی کے (کنے) خوشے پونچھ شہر کی عین اس پار دریا کے کنارے لگے ہوئے ہیں۔ پھر حکم دیا کہ جاؤ اور اپنی اپنی دھان نکال کرلاو۔ جب کسان پونچھ شہر کے اس پار پہنچے تو دیکھا کہ کنے وہاں لگے ہوئے ہیں۔ کسانوں کی خوشی کی حد نہ رہی۔ سب نے دھان نکالا اور خوشی خوشی گھر لوٹے۔ اس کرامت کی بدولت حضرت غلام شاہ بادشاہ سارے علاقے پونچھ میں مقبول ہو گئے۔ عوام میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کنوں کی بدولت ہی پونچھ شہر کے اس پار والے گاوں کا نام کنن پڑا تھا جو آج بھی رائج ہے۔

بالآخر حضرت باباصاحب تکیہ شریف لسانہ سے چل کر کچھ دیر لسانہ قصبے کے قریب ٹھہرے۔ اس کے بعد سینی پہنچے اور ایک درخت کے قریب جھونپڑا بنا کر رہنے لگے۔ یہاں بھی لوگوں نے گھیر لیا تو آپ نے ایک دن وہاں سے بھی نکل کر ڈھنہ شاہ ستار پہاڑ کے عین نیچے جنگل میں واقع ایک غار

میں بیٹھ کر چلہ کشی شروع کر دی۔ کسی نہ کسی طرح لوگوں نے آپ کو وہاں پہنچ کر پھر ڈھونڈ لیا۔ باباصاحب لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر ڈنہ شاہ ستار کے اسی پہاڑی سلسلہ کے مغرب میں واقع گاوں کالابن چلے گئے۔ یہ مقام بلندی پر واقع تھا جس کے آگے مینڈھر کی وادی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ گاوں گنی بستی سے دور تھا اسلئے آپ نے کالابن گاوں کے موہڑا سانگل میں جھونپڑا تیار کیا۔

☆☆☆

سدا اچھل

جس دور میں باباصاحبؒ کالابن میں مقیم تھے اس وقت پونچھ کا راجہ رستم خان تھا۔اس کا چچازاد بھائی ایاخان بھی حضرت باباصاحب کا مرید بن گیا اور بیشتر اوقات حاضر خدمت رہنے لگا کسی بد خصلت مخبر نے راجارستم خان کو شکایت کی کہ ایاخان آپ سے تاج و تخت چھیننے کا خواہش مند ہے۔رستم خان نے غصے میں آکر پونچھ باولی کے پاس دو فوجی گارڈ تعینات کر کے حکم دیا کہ جب بھی ایاخان ہاتھ آئے اسے گرفتار کر کے راجہ کے دربار میں پیش کیا جائے۔چنانچہ ایک رات اس فوجی گارڈ نے ایاخان کو پکڑ لیا۔باباصاحب

کا کالابن میں بیٹھے ہوئے تھے اور آگ جل رہی تھی۔ شاہ صاحب نے دست پناہ (آگ پکڑنے کے لئے لوہے کا چمٹہ) اٹھا کر زمین پر مارا اور کہا مار آؤ۔ ادھر پونچھ باولی کے پاس ایا خان نے راجہ کے پانچ فوجی قتل کر دیئے۔ گارڈ کے باقی لوگوں نے اسی وقت آیا خان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باباصاحب گارڑ والوں پر ناراض ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میں پونچھ کو خدا کی مدد سے تباہ وبرباد کردوں گا۔ غصے میں آ کر انہوں نے کالابن میں لگے ہوئے سدا پھل کے درختوں کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ خادموں نے ایک درخت بچالیا دوسرا آپ نے نکال دیا۔ بچا ہوا درخت ابھی تک وہاں موجود ہے اورا کھڑا ہوا درخت اپنے ساتھ لا کر شاہدرہ شریف میں نصب کیا جو آج تک باباصاحب کی کرامت کی داستان بتا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ باباصاحب موصوف نے لسانہ اور سنئی دس سال اور کالابن میں 12 سال قیام کیا تھا۔ کالابن میں آپ کا تکیہ شریف موجود ہے۔ عقیدت مند لوگ وہاں بھی حاضری دیکر سکون قلب حاصل کرتے ہیں۔ باباصاحب کے پونچھ کے راجہ سے ناراضگی کے بعد پونچھ میں قحط رہا۔ بعد میں جب حضرت بابالاروی صاحب جو باباصاحب کے دربار سے فیض یاب ہوئے تھے کے پاس پونچھ کے لوگوں کا ایک وفد آیا اور قحط سے نجات دلوانے کی دعا کروائی لاروی صاحب کی دعا قبول ہو گئی۔ پونچھ سے قحط دور ہو گیا ورلوگوں نے اطمینان کی سانس کی۔

درابہ آمد

ایا خان کے قتل سے رنجیدہ ہو کر حضرت بادشاہؒ سینہ درہ کی تلاش میں چلتے چلتے پونچھ سے تقریباً ۳۳ کلو میٹر مشرق میں سر نکوٹ ڈیرہ گلی پر واقع درابہ گاوں میں پہنچے۔ باباصاحب نے درابہ پہنچ کر پہاڑ کے دامن میں شالی کے کھیتوں کے کنارے موہڑا پتودی میں اپنا تکیہ قائم کیا جو آج بھی موجود ہے اور کالابن کی طرح پٹودی میں بھی آپ کے خلیفوں کی اولاد رہائش پذیر ہے۔ پاس ہی ایک قبرستان، چنار کا بلند وبالا درخت اور جامع مسجد عقیدت مندوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت

باباصاحب جب درابہ پٹودی میں قیام پذیر ہوئے تھے تو ان دنوں سرنکوٹ میں ایک جوگی جادوگر رہا کرتا تھا جو علاقے والوں سے باقاعدہ محصول حاصل کرتا تھا۔ اُس نے لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھار کھی تھی کہ اگر محصول نہ دوگے تو بارش نہ ہوگی۔ کسی طرح باباغلام شاہ کو جوگی کے اس استحصال کا علم ہوا تو انہوں نے برسرعام جوگی کی مخالفت کا آغاز کر دیا۔ جوگی مقابلے پر اُتر آیا مگر باباصاحب ٹالتے رہے۔ ایک دن باباصاحب نے جوگی کے جھوٹے پن کا پردہ فاش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور دیکھتے ہی دیکھتے خوب بارش ہوئی اور دھان کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہو گیا۔ لوگ باباصاحب کو وہیں ٹھہرنے کی التجا پر التجا کرنے لگے مگر وہ نہ مانے۔ پٹودی درابہ کا یہ تکیہ شاہدرہ شریف کے شمال میں چمریٹر گلی اور ڈیرہ ڈنہ پہاڑ کی دوسری جانب وادی سرُرن میں واقع ہے اور یہ جگہ شاہدرہ شریف ڈیرہ گلی، سرنکوٹ پونچھ روڈ پر (شاہدرہ شریف سے) ۳۱ کلومیٹر کے فاصلے پر سڑک کے کنارے آتی ہے۔

راجوری تشریف آوری

کچھ دیر درابہ میں قیام کرنے کے بعد حضرت باباصاحبؒ اپنے ساتھیوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ سینہ درہ (راجوری) کی طرف چمریٹر گلی کے راستے روانہ ہوگئے۔ چمریٹر گلی اُس وقت پونچھ اور راجوری کی ریاستوں کی سرحد بنی ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ مذکورہ مقام پر پہنچ کر باباصاحب نے شالی کی گھاس سے بناہوا اپنا جوتا اتار کر ناراضگی میں پھینک دیا تھا۔ حالانکہ ذاتی طور پر مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ ولی اللہ ناراضگی کا اظہار کرتے اور یہ قدم اٹھاتے۔ چمریٹر گلی کو پار کرنے کے بعد آپ بھنگائی پہنچے

جو شاہدرہ شریف سے تقریباً ایک کوس شمال میں واقع ہے۔ بھنگائی اور شاہدرہ کا علاقہ ریاست راجوری کے راجگان کی چراگاہ تھا۔ چند دن بھنگائی میں رہنے کے بعد آپ اپنی آخری منزل سینہ درہ (موجودہ شاہدرہ شریف) کی طرف بڑھے۔ جب بھنگائی میں انھیں پتہ چلا کہ مرشد پاک کا بتایا ہوا سینہ درہ اب قریب آرہا ہے تو آپ نے ایک گجر سے حسب فرمان ایک بکرا خریدا جسے اپنے ساتھ لائے۔ تنگ اور بیاڑ کے گھنے جنگل سے گزرتے ہوئے بادشاہ صاحب سینہ درہ پہنچے تو اچانک وہاں ایک شیر ظاہر ہو گیا۔ باباصاحب نے اپنے مرشد پاک کے حکم کے مطابق اسے دیکھتے ہی بکرے کو چھوڑ دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شیر اور بکرا اس مقام کا چکر لگا کر غائب ہو گئے۔ اسی جگہ ایک درخت پر جنگلی انگور کی بیل چڑھی ہوئی دیکھی۔ وہاں پر موجود جھاڑیوں کو صاف کیا گیا اور باباصاحب پانچ روز تک زمین میں کھدائی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ زمین سے آگ کا انگارہ برآمد ہوا۔ جب باباصاحب کو مرشد کے بتائے ہوئے سارے اشارے صحیح ثابت ہوئے تو انہوں نے سینہ درہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنے کا فیصلہ کیا اور آپ کی ذات بابرکت اور تعلیمات اسلام کے نور کے طفیل شیر کے رہنے کی جگہ (سینہ درہ) شاہدرہ شریف (یعنی بادشاہ کے رہنے کی جگہ) بن گئی۔ شاہدرہ میں آپ 1180ھ تشریف فرما ہوئے تھے۔ کچھ قلمکاروں نے اس جگہ کا نام سینہ درہ

اور خوش دیومینی نے شیند رہ رکھا ہے۔ دونوں کا مطلب شیر کے رہنے کی جگہ ہی ہے۔ حضرت باباصاحب کے ہمراہ کئی خوش قسمت لوگ تھے جن میں آپ کے دو مقتدر خلفاء حضرت خیر اللہ شاہ اور حضرت پیر بخش شاہ بھی پیش پیش رہے۔

ادھر باباصاحب نے مطبخ (لنگر) جاری کردیا جہاں آپ کے ساتھ رہنے والے اور آپ کی خدمت یں حاضر ہونے والے لوگ پیٹ بھر کر کھانا کھانے لگے۔ اس طرح سب سے پہلے ایک صدقہ جاریہ کی شروعات ہو گئی۔ یہ لنگر بڑے پیانے پر ابھی تک جاری وساری ہے جہاں روزانہ ہزاروں زائرین جی بھر کر کھانا کھاتے ہیں۔ لنگر چلنے کے ساتھ ہی ساتھ قیام گاہ کی تعمیر کے پیش نظر جنگل کاٹنے کی مہم کا بھی آغاز ہو گیا۔ بیٹھک تعمیر ہو گئی تو باباصاحب عبادات میں مشغول ہو گئے۔ چلہ کشی اور مراقبے کرنے کے ساتھ ہی ساتھ آپ اپنے مہمانوں کی فریادرسی کرتے اور انہیں خدا اور رسول کے بتائے دین پر عمل پیرا ہونے کی تلقین بھی فرماتے۔ تھوڑی ہی دیر میں پورے راجوری علاقے میں یہ خبر پھیل گئی کہ سینہ درّہ میں ایک مرد کامل آئے ہوئے ہیں جن کی دعائیں مقبول ہیں۔

راجہ سے ناراضگی

اِدھر شاہدرہ شریف میں قیام گاہ کے لئے درختوں کی کٹائی ہو رہی تھی اُدھر ریاست راجوری کا راجہ کرم اللہ خان سخت برہم ہو گیا اور اپنے سرکاری کارندے سینہ درّہ روانہ کر کے باباصاحب کو راجوری بلوایا۔ کہتے ہیں کہ راجہ کے تحکمانہ انداز تکلم سے باباصاحب کو کافی ناراضگی ہوئی جس سے گھبرا کر راجہ نے انہیں شاہدرہ میں درخت کاٹنے اور وہاں نئی بستی بسانے کی حامی بھر لی۔ لہٰذا آپ شاہدرہ واپس چلے گئے اور اپنا تعمیراتی عمل

جاری رکھا۔

اسی دوران راجہ کرم اللہ نے پونچھ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جب اس کی اطلاع باباصاحب کو پہنچی توانہوں نے راجہ کرم اللہ کو پیغام بھیجا کہ اس وقت پونچھ پر چڑھائی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ مگر راجہ اقتدار کے نشے میں چور تھا۔اِس نے فقیر خدا کی بات پر کان نہ دھرا بلکہ باباصاحب کے لئے کچھ نازیبا باتیں بھی کہیں ،جس کا باباصاحب کو انتہائی دکھ ہوا۔خدا کی قدرت کہ راجہ کرم اللہ شدید طور بیمار ہو گیااوراس کا کوئی علاج کار گر نہ نکلا۔ کچھ خداترس درباریوں نے مشورہ دیا جس کے نتیجے میں راجہ کی رانی بنسی ماہلی ہاتھ باندھے باباصاحب کے پاس چلی گئی اور معافی طلب کرتے ہوئے اپنے شوہر کی صحت یابی کے لئے دعا کی گزارش کی۔ادھر باباصاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ادھر راجہ کرم اللہ کی تکلیف میں کمی آنے لگی۔باباصاحب نے رانی کو بتایا کہ آپ کے خاوند کو آئندہ کے لئے محتاط رہنا چاہئے اوراسے تکبر کو فوراًترک کرنا ہو گا۔بتایا جاتا ہے کہ رانی کے راجوری واپس پہنچنے تک راجہ بالکل تندرست ہو چکا تھا۔اسے غلام شاہ صاحب کے مرد خدا ہونے پر یقین آ گیااوروہ بہ نفس نفیس باباصاحب کے پاس آ کر معافی کا خوستگار ہو کرمریدوں کی صف میں شامل ہو گیا۔

مرزا ظفراللہ خان کی ”تاریخ راجگان راجور“میں لکھا ہوا ہے کہ

اس کرامت کے بعد راجہ راجور کا سارا خاندان باباصاحب کا معتقد ہو چکا تھا۔ان میں مرزا نعمت اللہ خان بھی شامل تھا جو راجہ کرم اللہ خان کا بھائی تھا۔مرزا نعمت اللہ باباصاحب کا پکا مرید تھااور اکثر ان کے در پر حاضر رہتا ،باباصاحب اس کی حلیمی اور غریب پروری کی بڑی قدر کرتے تھے۔ادھر کسی نے راجہ کرم اللہ کو بھڑکایا کہ آپ کا راج ہڑپ کرنے کی غرض سے مرزا نعمت اللہ حضرت باباصاحب کے دربار کے چکر کاٹ رہا ہے۔راجہ کرم اللہ انتہائی شکی مزاج انسان تھا۔اس نے بغیر سوچے سمجھے مرزا نعمت اللہ کے وارنٹ گرفتاری جاری کردیئے۔مرزا گرفتاری سے بچنے کے لئے پونچھ بھاگا جس پر باباصاحب دوبارہ ناراض ہوگئے۔راجہ کی رانی کا شگر نے چار بیٹوں کو جنم دیا تھا جس میں شدید اختلاف ہو گیااور چاروں کے چار آپسی لڑائی میں مارے گئے۔خود راجہ بھی سخت بیمار ہو گیا۔رانی کا شگر بھی ناتواں و کمزور ہو گئی۔اس افسوسناک صورتحال سے گھبرا کر رانی ننگے پاوں شاہدرہ شریف پہنچ گئیں۔باباصاحب کو اپنے چلہ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر وہ بھاگتی ہوئی آئی اور جلدی سے آپ کے قدموں میں گڑ گڑانے اور عرض کرنے لگی کہ راجہ اوراس کی دوسری رانی تندرست ہو جائیں ورنہ ہماری حالت خستہ وخراب ہو چکی ہے۔ساتھ ہی رانی نے اپنے لئے اولاد ہونے کی بھی تمنا ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا کہ جاو خدا کے فضل سے راجہ اور رانی

تندرست ہو جائیں گے اور تیرے ہاں ایک بیٹا ہو گا اس کا نام اگر خان رکھنا۔جب یہ دونوں پیشن گوئیاں درست نکلیں تو راجہ اور رانی شاہدرہ شریف حاضر ہوئے اور باباصاحب کو پالکی میں راجوری لایا۔راجوری میں بابا صاحب کو راج محل میں رکھا گیااور راجہ کرم اللہ نے باباصاحب کے کہنے پر پونچھ پر حملہ کرنے کا پلان مسترد کر دیا۔راجہ کرم اللہ کی دوسری رانی شگر نے بھی ایک بیٹے کو جنم دیا جس کا نام رحیم خان رکھا گیا۔باباصاحب راج محل راجوری کے جس کمرے میں عبادت کرتے رہتے اس کا نام تسبیح خانہ رکھا گیا تھا۔یہ حجرہ نماز و عبادت کے سوا کسی اور کام کے لئے استعمال نہ کیا جاتا تھا**1846**عیسوی کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کے ریاست جموں و کشمیر کے گورنر میاں ہاٹھو کو جرال حکومت ختم کرنے بھیجااوراس نے اس تاریخی قلعہ اور تسبیح خانہ کو بھی اکھیڑ دیا تھا۔

بہرحال کچھ وقت راجوری کے محل میں قیام کرنے کے بعد حضرت باباصاحب جو تب تک روحانی بادشاہ بن چکے تھے راجہ کرم اللہ کی کافی منت وسماجت کرنے کے باوجود شاہدرہ شریف واپس چلے گئے۔راجہ نے پورے احترام کے ساتھ پالکی ہی میں یہ سفر کروایا۔شاہدرہ شریف میں بھی راجہ نے باباصاحب اور ان کے خادموں کے لئے مکانات تعمیر کروائے اور ساتھ ہی ساتھ میں دربار کے لئے پچیس ہزار کنال زمین جاگیر کے طور پر وقف

کر دی۔ یہ جاگیر ڈوگرہ عہد میں بھی بحال رہی۔ اس جاگیر پر کوئی بھی سرکاری لگان نہیں لیا جاتا تھا۔ ڈوگرہ دور حکومت میں شاہدرہ میں بسنے والے لوگوں سے باباصاحب کے احترام میں بیگار نہیں لی جاتی تھی جو اس وقت غریبوں کے لئے بڑی مصیبت بن چکی تھی۔

☆☆☆

انتقال و مقبرہ

شاہدرہ شریف میں حضرت باباصاحبؒ نے تقریباً چالیس برس عبادت ،ریاضت ،چلہ کشی اور تبلیغ دین میں گزارنے کے بعد ۹ محرم 1226ھ (مطابق 3فروری 1806ء) میں اپنی جان عزیز جان آفیریں کے حوالے کردی۔ آپ نے اپنی حیات ہی میں ایک ملتانی معمار کی مدد سے اپنا مقبرہ تیار کروایا تھا۔ روایت ہے کہ آپ ایک ملتانی معمار کے خواب میں آئے اور اسے حکم دیا کہ وہ شاہدرہ پہنچے۔وہ معامر یہاں آنے کے بجائے پاکستان میں واقع شاہدرہ جاپہنچا۔باباصاحب نے دوبارہ خواب میں راجوری والے شاہدرہ

کی نشاندہی کی چنانچہ وہ معمار شاہدرہ آیااور باباصاحب کی حیات میں ہی ان کا مقبرہ بنایا جس کی تعمیر مطابق 1804ء میں مکمل ہوئی تھی۔یعنی حضرت کے وصال سے دوسال قبل آپ کا مقبرہ تیار ہوچکا تھا۔چنانچہ آپ کی وفات کے بعد وہاں پر موجود لوگوں نے اسی مقبرہ میں آپ کودفن کردیا گویا روحانیت کے منور آفتاب کوزیرخاک کیا گیا۔

لنگرخانہ ابھی تک چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے جبکہ سدابہار درخت کے انمول پھل حاصل کرنے کے لئے ہزاروں زائرین تڑپتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔اوقاف اسلامیہ شاہدرہ شریف اس زیارت کی نگرانی کررہا ہے اور اسسٹنٹ کمشنر محکمہ مال راجوری جناب چودھری محمد اشرف صاحب یہاں کے موجودہ ایڈمنسٹریٹر ہیں۔باباصاحب کا سالانہ عرس 9 محرم کو پورے احترام کے ساتھ منایا جاتا ہے

☆☆☆

گلابو سے مہاراجہ گلاب سنگھ کا سفر؟

حضرت باباغلام شاہ بادشاہؒ کی چند کرامات کا سرسری ذکر اُن کے حالات زندگی لکھتے ہوئے آیا ہے۔ خوش دیو مینی نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے متعلق باباصاحب کے وصال کے بعد ایک مشہور کرامت سے متعلق بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حالانکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر فتح کرلیا تھا اور راجوری کے راجہ اگر خان کو اکھیڑ پھینکا تھا لیکن اگر خان ابھی زندہ تھا۔اس لئے رنجیت سنگھ کا بدلہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔جب باغی راجہ اگر خان نے مہاراجہ کے قافلوں پر حملے شروع کئے تو مہاراجہ نے اپنے جرنیل گلاب

سنگھ کو ایک سو پچاس کمپنیاں خالصہ فوج دیکر اگر خان کی سر کوبی کے لئے روانہ کیا۔اس طرح گلاب سنگھ عرصے تک دوہرہ ڈنہ پہاڑ پر کیمپ لگا کر اسی پہاڑی سلسلے میں اگر خان کی تلاش میں مارامار پھرتا رہا۔یہ 1866عیسوی کا واقع ہے جبکہ زیارت کے سجادہ نشین خلیفہ خیراللہ شاہ تھے۔روایت ہے کہ ایک دن جب گلاب سنگھ لشکر سمیت دوہرہ ڈنہ میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا تب حضرت باباصاحب خیر اللہ شاہ کو خواب میں آئے اور فرمایا کہ دھیرہ گلی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج جارہی ہے۔اس میں گلابو ڈوگرہ ہے۔اس کو جا کر بشارت دو کہ جموں و کشمیر کا راجہ اللہ کے دربار سے لے کر دیا ہے اور یہ کہ تم نے ہی راجہ اگر خان کو گرفتار کرنا ہے۔اپنے مرشد کے حکم کے مطابق خیراللہ شاہ اس وقت دوہرہ ڈنہ میں چلہ کشی کررہے تھے،اسے غار میں دیکھ کر خالصہ فوجیوں نے آگھیرا۔خیراللہ شاہ نے سپاہیوں سے کہا کہ ”مجھے گلابو ڈوگرہ سے ملاو“ چنانچہ سپاہیوں سے اطلاع ملنے پر گلاب سنگھ خود خیراللہ شاہ کے پاس گیا۔دیوان کرپارام کے ”گلاب نامہ“ کے مطابق اس وقت خیراللہ شاہ خوبانی کے ایک درخت کے نیچے مچ لگائے بیٹھے تھے۔انہوں نے فوجیوں کو دیکھ کر پھر کہا مجھے گلابو ڈوگرہ سے ملاو۔خالصہ فوج میں سے کسی نے میاں گلاب سنگھ کو شاہ صاحب سے متعارف کروایا۔خیراللہ نے اسے بشارت دی کہ تم جموں و کشمیر کے بادشاہ بننے والے ہو۔ گلاب سنگھ نے

ڈوگری میں کہا "آہستہ بولو" خالصہ فوج سنا کردی ایہ میرے سردا کال کری دینگن (خالصہ فوج سن رہی ہے میرا سر قلم کردے گی)۔جب گلاب سنگھ کو یقین ہی نہیں آیا تو خیر اللہ شاہ نے اسے بتایا کہ یہ بشارت مجھے حضرت باباغلام شاہ نے خواب میں دی ہے۔اس لئے تمہیں کوئی نہیں مار سکتا۔ تمہارے نصیب میں جموں و کشمیر کی حکمرانی لکھی ہے۔اب گلاب سنگھ کے دل میں یہ خیال آیا کہ شاہ صاحب کی بات میں کوئی قدرتی راز پوشیدہ ہے۔چنانچہ وہ خیر اللہ شاہ کے سامنے بیٹھ گیا۔خیر اللہ شاہ نے مخاطب ہو کر کہا کہ تم اس پہاڑ پر چڑھ کر دیکھو اور یہاں سے جدھر بھی دیکھو گے وہ ملک تمہارا ہو جائے گا۔میاں گلاب سنگھ نے پہاڑ پر چڑھ کر علاقہ جموں و کشمیر کی طرف نظر دوڑائی اور پھر واپس خیر اللہ کے پاس آ گیا۔خیر اللہ نے پوچھا "کس طرف دیکھا؟" گلاب سنگھ بولا "جموں کشمیر کی طرف" اب خیر اللہ شاہ نے میاں گلاب سنگھ کو خوبانی کے دو دانے بھی دیئے اور کہا کہ میں نے تمہیں لداخ اور گلگت بھی دیا۔میاں گلاب سنگھ خیر اللہ کی پیشن گوئی سن کر نہایت خوش ہوا اور کہا کہ اگر میں جموں کشمیر کا بادشاہ بن گیا تو زیارت شاہدرہ کے نام بڑی جاگیر لگادوں گا۔سائیں خیر اللہ نے کہا کہ اسی وقت لکھ کر دو کہ جب تم جموں و کشمیر کے بادشاہ بن گئے تو دربار اور گاوں کو نہیں چھیڑو گے۔گلاب سنگھ کا صافہ گیری سے رنگا ہوا تھا اس کو پھاڑ کر ایک حصہ الگ

کردیا۔ پھر دانتن کی قلم بنائی اور صافے کا حصہ بھگو کر اس پر دانتن کی قلم سے ڈوگری رسم الخط میں لکھ دیا کہ جس قدر بھی جاگیر چاہو گے دی جائے گی۔ راجہ اگر خان 1866ء میں گرفتار ہوا۔ میاں گلاب سنگھ نے جب اسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے روبرو پیش کیا تو مہاراجہ بہت خوش ہوا۔ اس نے میاں گلاب سنگھ کو بمقام اکھنور دریائے چناب کے کنارے ایک دربار میں جموں کا راج تلک دے کر راجہ بنایا۔ اس طرح خیر اللہ شاہ کے بیٹے شاہنواز شاہ کے درمیان سجادہ نشینی پر رسہ کشی شروع ہو گئی۔۔ بالآخر مہاراجہ گلاب سنگھ نے 1905 بکرمی مطابق 1849ء کو راجوری کے گورنر میاں ہاٹھو سنگھ کو لکھا کہ شاہدرہ شریف زیارت و جاگیر کا جس قدر رقبہ ہے آج سے واگزار کیا جاتا ہے۔ رقبے پر تمام ٹیکس معاف کئے جاتے ہیں۔ وہاں کا ایک پیسہ بھی سرکاری خزانے میں گائے کے خون کی مانند ہو گا۔ مہاراجہ نے خلیفہ شاہنواز کو بھی سرکاری دعا گو مقرر کر کے شاہدرہ شریف کا کل انتظام اس کو سپرد کر دیا۔

☆☆☆

منظر کشی

تھانہ منڈی سے بہترین سڑک کو پار کرتے ہوئے جب زائرین شاہدرہ شریف پہنچ جاتے ہیں تو ایک قسم کا سکون حاصل ہوتا ہے۔ شاہدرہ شریف بس اڈہ کے پاس اور کمپلکس کے احاطہ میں گاڑی پارکنگ کا پورا انتظام رہتا ہے جبکہ اب پہاڑی کے اوپری حصہ میں بھی پارکنگ کا انتظام کیا گیا ہے۔

روضئہ مبارک کی طرف جانے سے پہلے متعدد دکانوں پر مشتمل محراب دار شاپنگ کمپلکس آتا ہے جہاں مذہبی کتابوں، چکھڑی کی لکڑی کے

دلکش آرائشی چیزوں اور فوٹو گرافرس کی دو کانیں وغیرہ آتی ہیں جس کے سامنے ایک کشادہ میدان ہے ۔بازار کے مغربی کونے سے سیڑھیوں اور زینوں کا آغاز ہوتا ہے جو روضۂ شریف تک چلا گیا ہے۔ آغاز میں ایک محراب نما گنبد ہے جسے چھتری کہتے ہیں۔اس گنبد میں فوارہ بھی لگا ہوا ہے۔ خوش دیو مینی لکھتے ہیں یہاں سے نشاط باغ سرینگر (کشمیر) کی طرف سے زینہ در زینہ سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کے بیچوں بیچ فوارے اور نہر رواں ہے۔دائیں بائیں برقی قمقمے اور مرکزی بلب اس انداز میں نصب کئے گئے ہیں جو رات کے وقت اس پہاڑی گھاٹی میں خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں کچھ طبق طے کرنے کے بعد مہمان خانہ آتا ہے جس میں ۱۹ کمرے ہیں۔ہر کمرے کے ساتھ غسل خانہ ملحق ہے۔یہاں مہمانوں کے قیام اور طعام کی سہولیات دستیاب ہیں۔

مہمان خانے کے تھوڑا اُوپر ایک کشادہ میدان ہے جسے پارک میں تبدیل کیا گیا ہے تا کہ یہاں زائرین کو ستانے کا موقع مل سکے۔اس کے آگے سیڑھیوں کے بائیں جانب سنگ مرمر کا فرش ہے جس کے ساتھ ہی لنگر خانہ تعمیر کیا گیا ہے۔ سارا دن زائرین کو لنگر سے تبرک کھانے کو ملتا ہے۔ روضۂ شریف کی دائیں جانب گودام سے جہاں راشن وغیرہ رکھا جاتا ہے اسی گودام کے ساتھ آج بھی وہ کمرہ موجود ہے جہاں باباصاحب چلہ کشی کیا

کرتے تھے۔روضۂ مبارک کی چھت کے ایک کونے میں معماروں نے لکڑی کا شیر نصب کیا ہے جو کسی اسلامی آستان میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد نمونہ ہے۔روضۂ مبارک کے عین پیچھے نئی جامع مسجد تعمیر کی گئی ہے۔سبز رنگ کی گنبدوالی یہ مسجد اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے سارے علاقہ میں اہم مانی جاتی ہے۔ مسجد کی چھت پر کشمیری طرز کے لکڑی کے ختم بند کا نہایت عمدہ کام کیا گیا ہے۔ مسجد کے اندر اور باہر دالان میں سنگھ مر مر لگا ہوا ہے جہاں تقریباً چار ہزار اشخاص نماز ادا کر سکتے ہیں۔زیارت کا پورا کمپلکس کوئی ساٹھ کنال اراضی پر محیط ہے۔ جس میں مہمان خانہ کے علاوہ ڈور میٹری، بارہ دریاں وغیرہ شامل ہیں۔ روضۂ مبارک کے عین سامنے اور لنگر بلڈنگ کے بائیں جانب ایک درخت لگا ہوا ہے جو سدابہار کہلاتا ہے“

خوش دیومینی صاحب کی تصنیف سال 2000ء میں شائع ہوئی ہے گذشتہ 18 سالوں کے اندر اور ابھی کئی تعمیرات ہوئی ہیں۔ مفتی محمد سعید صاحب جب 2002ء میں اس ریاست کے وزیر اعلیٰ بنے تو انہوں نے شاہدرہ شریف زیارت کی ترقی کی طرف کافی دھیان دیا اور اپنے تین سالہ دور اقتدار میں انہوں نے نہ صرف سڑک کو کشادہ کرایا بلکہ زیارت کے پاس زائرین کے ٹھہرنے کیلئے گیسٹ ہاؤس تعمیر کروائے اور زیارت کو مزید خوبصورت بنانے کے سرکاری طور پر اجیکٹ منظور کرایا۔2015ء میں دوبارہ سے مفتی

محمد سعید صاحب کی سرکار آئی اور اس دور میں بھی اس زیارت کی طرف خاصی توجہ دی گئی۔

اوقاف اسلامیہ: تاریخی پس منظر

جموں کشمیر میں اوقاف اسلامیہ کی جائداد 1947ء سے قبل بھی مہاراجہ کے دور میں سرکاری کنٹرول میں رہی لیکن اس جائداد کا ناجائز طور استعمال ہوا اور کئی مورخوں کے مطابق ماضی میں اس جائداد کو سرکاری کام کاج کیلئے استعمال کیا گیا۔ یہاں تک 1940ء تک اس ریاست کے اندر کوئی بھی ایسا مسلم ادارہ نہیں تھا جو اس جائداد کی دیکھ ریکھ کر سکے لیکن 1940ء میں اس نوعیت کی پہلی تنظیم ادارہ اوقاف اسلامیہ حضرت بل قائم ہوئی جس میں جناب شیخ محمد عبداللہ کو چیئرمین بنایا گیا۔

ہندوستان میں 1954ء میں سینٹرل وقف ایکٹ بنایا گیا اور جموں کشمیر کی سرکار نے اس کی نقل کرتے ہوئے 1959 میں جموں کشمیر وقف ایکٹ وجود میں لایا تاہم اس ایکٹ میں کئی کمیاں تھیں جس سے وقف جائداد کا نظام بہتر ڈھنگ سے نہیں چل پایا۔ حالانکہ اس ایکٹ کے تحت تمام وقف جائداد کو اس کی تحویل میں کر دیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود کئی زیارتوں کو اس ایکٹ کے باہر چھوڑ دیا گیا اور اس کے پیچھے سیاسی وجوہات بھی ہو سکتی تھیں کیونکہ اس زمانے میں کئی زیارتوں کا انتظام سیاسی لوگ ہی چلاتے تھے۔ ادھر اس ایکٹ کے برابر میں نیشنل کانفرنس نے 23 ستمبر 1973ء کو باضابطہ طور آل جموں کشمیر اوقاف ٹرسٹ قائم کیا اور جناب شیخ محمد عبداللہ کو اس کا چیئرمین بنایا گیا۔ اس ٹرسٹ میں کل 80 ممبران تھے لیکن ان میں سے بیشتر ممبران سیاسی تھے جو نیشنل کانفرنس جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں 17 ستمبر 1982ء کو جناب ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو اس ٹرسٹ کا چیئرمین بنایا گیا۔

جموں کشمیر میں وقف جائداد کا باضابطہ احتساب کرنے کیلئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ خامیوں سے بھرپور جموں کشمیر وقف ایکٹ 1959ء کی ترمیم کی جائے اور 1978ء میں ریاستی سرکار نے جموں کشمیر مسلم وقف ایکٹ پاس کرایا جس کے تحت نہ صرف ریاستی سطح پر بورڈ

بنایا گیا بلکہ تحصیل سطح پر بھی وقف کمیٹیاں قائم کی گئیں اور اس طرح وقف جائداد کو منظم کرنے کے حوالے سے ایک بڑا کام کیا گیا۔ بعد میں سرکار نے اس ایکٹ کو بھی ختم کیا اور جموں کشمیر وقف ایکٹ 2001ء لایا جس کے تحت ریاست میں جموں کشمیر وقف کونسل کا انعقاد کیا گیا اور اوقاف منسٹر کو اس کونسل کا چیئرمین بنایا گیا۔

☆☆☆

راجوری میں وقف اراضی ودیگر جائیداد

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اوقاف اسلامیہ راجوری کے پاس 10558 کنال اراضی ہے۔ اس میں سے اوقاف اسلامیہ راجوری میں 4030 کنال، اوقاف اسلامیہ تھنہ منڈی میں 2174 کنال، اوقاف اسلامیہ کالا کوٹ میں 317 کنال، اوقاف اسلامیہ سندر بنی میں 1356 کنال اور اوقاف اسلامیہ نوشہرہ میں 2681 کنال اراضی ہے۔

راجوری میں 407 کنال اراضی کو انڈین ارمی کو کرایہ پر دے دیا گیا ہے جس سے ہر تین مہینے کا کرایہ 27 لاکھ روپے کے قریب وصول

کیا جاتا ہے۔

راجوری میں اوقاف اسلامیہ نے 128 دوکانیں اور 8 کھوکھے تعمیر کئے ہیں جن کو کرایہ پر دیا گیا ہے اور ان سے ہر ماہ ایک ہزار روپے دکان اور اور 500 روپے کھوکے کا وصول کیا جاتا ہے۔ اوقاف اسلامیہ راجوری کے پاس 10 رہائشی مکانات بھی ہیں جن کو کرایہ پر دے دیا گیا ہے۔

کالا کوٹ میں بھی اوقاف اسلامیہ کے پاس 18 دکانیں ہیں جن سے 600 روپے فی دوکاندار سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

اوقاف اسلامیہ راجوری آمدن

اوقاف اسلامیہ راجوری کی انتظامی تحویل میں جو زیارتیں ہیں ان میں حضرت باباغلام شاہ بادشاہ شاہدرہ شریف کی زیارت سب سے بڑی ہے جہاں سے سالانہ 13 کروڑروپے کی آمدن ہوتی ہے۔

سال 2014-15 کے دوران اس زیارت سے 7 کروڑ روپے کی آمدن ہوئی جبکہ 2015-16 میں 8 کروڑروپے ہو گئی۔ 2016-17 میں اس زیارت سے 952 لاکھ روپے کی آمدن ہوئی جبکہ 2017-18 میں 1061 لاکھ روپے کی آمدن ہوئی۔ یہ آمدن 2018-19 میں 1152

لاکھ روپے پہنچی اور 2019-20 میں یہی رقم 1279 لاکھ پہنچ گئی۔

2020-21 کا سال کوڈ کا سال رہااور 16 مارچ 2020 سے لے کر 16 اگست 2020 تک کووڈ کی وجہ سے اس زیارت کو بند کرنا پڑا لیکن پھر بھی اس سال جنوری 2021 تک 723 لاکھ روپے کی آمدن ہوئی۔

2019-20 میں صندوقچوں سے 756 لاکھ کی آمدن ہوئی جبکہ 200 لاکھ نقد وصول کیا گیا۔ 200 لاکھ روپے جانوروں کی قیمت موصول ہوئی 40 لاکھ روپے کے کھانے پینے کے سامان کی قیمت وصول اور 50 لاکھ روپے گیسٹ ہاؤس اور دو کانوں کے کرایہ سے وصول ہوا۔ کل ملا کر اگر صرف 2019-20 کی بات کریں تو کل 1279 لاکھ روپے وصول کیا گیا۔

اگر ہم 31 جنوری 2021 تک کی کل بقایا رقم کی بات کریں تو اوقاف اسلامیہ راجوری کے بنک کھاتے میں 44 کروڑ روپے موجود ہیں۔ اس میں شاہدرا ہ شریف زیارت کے اکاؤنٹ میں 1012 لاکھ روپے اور 25 کروڑ کا فیکس ڈیپازٹ، زیارت بھٹیاں شریف کے اکاؤنٹ میں 55 لاکھ روپے، راجوری اوقاف کے بنک کھاتے میں 564 لاکھ روپے اور 3 کروڑ کا فیکس ڈیپازٹ شامل ہیں۔

اوقاف اسلامیہ کے فلاحی کام

اوقاف اسلامیہ راجوری کئی فلاحی و ملی کام بھی کرتا ہے۔ اوقاف اسلامیہ شاہدرہ شریف کی طرف سے 2003 سے اب تک ہر سال باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کو 2 کروڑ روپے کی مدد کی جاتی ہے۔ کل ملا کر 2003 سے 2020 تک اس یونیورسٹی کو اوقاف اسلامیہ شاہدراہ شریف نے 46 کروڑ روپے واگزار کئے ہیں۔ اگر شروعاتی دور میں اس درگاہ نے یونیورسٹی کی مدد نہیں کی ہوتی تو شاید یہ یونیورسٹی وجود میں نہیں آتی کیونکہ فنڈز کی عدم موجودگی سے یہ ادارہ بنیاد پر ہی دم توڑ دیتا لیکن اوقاف اسلامیہ کی امداد

سے یہ ادارہ کھڑاہو گیااور آج چلنے اور آگے بڑھنے کی کوشش کررہاہے لیکن بنیادی پتھر لگوانے میں اسی زیارت کااہم رول رہاجس کو کبھی بھی فراموش نہیں کیاجاسکتاہے۔

پوری دنیا 2020میں کووڈبیماری سے متاثرہو گئی اوراس سے نپٹنے کے لئے جہاں سرکارنے بھرپور جان لگادی وہیں غیرسرکاری سطح پر بھی کام ہوا۔ کووڈ بیماری سے نپٹنے میں شاہدرہ شریف کی اوقاف انتظامیہ بھی پیچھے نہیں رہی اورزیارت کی فنڈزمیں سے 3 کروڑروپے کووڈسے نپٹنے کے لئے لفٹننٹ گورنرکے کھاتے میں جمع کرائے گئے جوایک بڑی امدادمانی جاتی ہے۔ یعنی اوقاف اسلامیہ نے کووڈسے نپٹنے کے لئے سرکار کی بڑھ چڑھ کرمدد کی۔

اسی طرح اوقاف اسلامیہ کی انتظامیہ نے اہم فیصلہ لیتے ہوئے 11 لاکھ روپے راجوری میں ونٹی لیٹر خریدنے کے لئے ضلع ترقیاتی کمشنر کو رقومات دئے جوایک بڑی مدد ثابت ہوئی۔

اسی دوران اوقاف اسلامیہ کشتواڑمالی بحران کاشکارہوااوران کی مددکے لئے اوقاف اسلامیہ راجوری سامنے آیااورانہیں 50لاکھ روپے کا قرضہ دے دیاتاکہ وہ مالی بحران سے کچھ حدتک باہرآپائیں۔

اس کے علاوہ 330اماموں کوہرماہ 6.56لاکھ روپے کی تنخواہیں

وا گزار کرتا ہے جبکہ 277 بیوا عورتوں کو ہر ماہ پنشن بھی دی جاتی۔ یعنی ہر ماہ ان بیواہ عورتوں کو 2 لاکھ روپے کی پنشن ملتی ہے۔

اوقاف اسلامیہ راجوری معذور اشخاص کی مدد کے لئے بھی پیش پیش رہا اور ایسے 236 معذور افراد کو ہر ماہ 1.78 لاکھ روپے کی پنشن دی جاتی ہے۔ اسی طرح عمر رسیدہ اور بے سہارہ 161 لوگوں کو اوقاف اسلامیہ 1.16 لاکھ روپے کی پنشن فراہم کرتا ہے جبکہ 161 غریب بچوں کو 81 ہزار روپے کا وظیفہ ہر ماہ دیا جاتا ہے۔

اس طرح کے فلاحی کاموں میں اوقاف اسلامیہ نے ہمیشہ حصہ لیا ہے اور لوگوں کا دل جیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوقاف اسلامیہ پر لوگ بھروسہ کرتے ہیں اور مساجد، زیارتوں اور درگاہوں پر نیاز و نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ ان کی عقیدت بزرگان دین کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ان کو اپنے پیسے کے کسٹوڈین پر بھی پورا بھروسہ ہے کیونکہ صاف ستھرے طریقے سے پورا انتظام چلایا جاتا ہے اور تمام ایڈمنسٹریٹرس نے اپنا فرض منصبی نبھایا ہے۔

☆☆☆

زیر تحویل زیارتیں و مساجد

اوقاف اسلامیہ راجوری کی انتظامی تحویل میں جو زیارتیں ہیں ان میں حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ شاہدرہ شریف کی زیارت کے علاوہ راجوری عبداللہ پل کے ساتھ واقع زیارت پیر مکھن شاہ، نئے پل کے ساتھ واقع زیارت گلاب شاہ، نگون گاؤں میں واقع زیارت سائیں صدیق صاحب، پلولیاں گاؤں میں واقع زیارت سائیں نظام الدّین، ٹھوڈی گاؤں میں زیارت سعید رفیق حسین شاہ، دسل گاؤں میں زیارت پیر سید روشن شاہ، دسل میں ہی زیارت پیر فیض عالم اور پنج پیر راجوری شامل ہیں جبکہ اوقاف اسلامیہ راجوری

کے ماتحت کئی کنال اراضی اور دو کانیں بھی ہیں اور جامع مسجد راجوری کے علاوہ ایک سٹی مسجد بھی ہے۔

جامع مسجد عید گاہ کی تعمیر کا کام اوقاف اسلامیہ نے ہاتھ میں لیا اور اس مسجد کو عالیشان طریقے سے تعمیر کیا گیا ہے جس کے لئے چندہ مہم 1999ء سے ہی شروع کر دی گئی تھی اور فروری 2021ء تک اس کے لئے 818 لاکھ روپے کا چندہ اکھٹا کیا گیا جس میں سے 815 لاکھ روپے مسجد کی تعمیر پر خرچ کر دیا گیا ہے۔

☆☆☆

زیر تحویل زیارتوں سے آمدن

حضرت باباغلام شاہ بادشاہ شاہدرہ شریف کی زیارت سے سب سے زیادہ آمدن اوقاف اسلامیہ کو موصول ہوتی ہے۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق جنوری 2021 عیسوی تک اس زیارت کے اکاونٹ میں 36.67 کروڑ روپے جمع تھے اس کے علاوہ راجوری عبداللہ پل کے ساتھ واقع زیارت پیر مکھن شاہ کو یکم اگست 2016ء کو اوقاف اسلامیہ نے اپنی انتظامی تحویل میں لیا اور تب سے لے کر فروری 2021ء تک اس زیارت کی آمدن 92 لاکھ روپے تھی۔

نئے پل کے ساتھ واقع زیارت پیر گلاب شاہ یکم اگست 2016 عیسوی کو اپنی انتظامی تحویل میں لیا اور اس وقت سے لے کر فروری 2021 عیسوی تک اس زیارت کی کل آمدن 5لاکھ روپے تھی۔

نگون گاؤں میں واقع زیارت سائیں صدیق صاحب کو اوقاف اسلامیہ نے یکم ستمبر 2016ء کو اپنی انتظامی تحویل میں لیا تھا اور تب سے لے کر فروری 2021ء تک 38لاکھ روپے کی آمدن ہوئی۔

پلولیاں گاؤں میں واقع زیارت سائیں نظام الدّین کو بھی یکم ستمبر 2016ء کو اوقاف اسلامیہ نے اپنی انتظامی تحویل میں لیا اور فروری 2021ء تک 16لاکھ روپے آمدن تھی۔

اسی طرح ٹھوڈی گاؤں میں واقع زیارت سعید رفیق حسین شاہ 5 اگست 2018ء کو اپنی انتظامی تحویل میں لیا اور تب سے لے کر فروری 2021ء تک اس زیارت سے 10لاکھ روپے کی آمدن وصول کی گئی۔

دسل گاؤں میں واقع پیر سید روشن شاہ کی زیارت کو اوقاف اسلامیہ نے یکم ستمبر 2016ء کو اپنی انتظامی تحویل میں لیا اور تب سے لے کر فروری 2021ء تک اس زیارت سے 94ہزار روپے کی آمدن وصول کی گئی۔

دسل میں ہی زیارت پیر فیض عالم کو 21 ستمبر 2016ء کو اوقاف

اسلامیہ نے اپنی انتظامی تحویل میں لیا اور تب سے لے کر فروری 2021ء تک اس زیارت سے 10ہزار روپے کی آمدن وصول کی گئی۔

پنج پیر راجوری زیارت سے فروری 2021ء تک اوقاف اسلامیہ نے 5.27 کروڑ روپے کی آمدن وصول کی۔

اسی طرح اوقاف اسلامیہ راجوری کے کھاتے میں فروری 2021ء میں 52لاکھ روپے کی رقم موجود تھی جبکہ جامع مسجد عید گاہ کے کھاتے میں 4لاکھ روپے باقی بچ گئے تھے جبکہ مسجد سٹی راجوری کے کھاتے میں 173لاکھ روپے کی رقم باقی بچی ہوئی تھی۔

☆☆☆

شاہدرہ شریف: زائرین

حضرت باباغلام شاہ بادشاہؒ کی زیارت کے دروازے ہر رنگ نسل، مذہب اور ذات پات کے لوگوں کے لئے کھلے ہیں۔ اگر ہم 2019-20 سال کی بات کریں تو 18 لاکھ زائرین نے اس زیارت پر حاضری دی اور گذشتہ کئی سال سے اس میں تیزی آئی ہے۔ اگر ہم گذشتہ 20 سال کا موازنہ کریں تو سال 2001-02 میں اس زیارت پر 6.78 لاکھ زائرین نے حاضری دی جس میں سے 7194 زائرین بیرونی ریاستوں کے تھے جبکہ کوئی بھی غیر ملکی زائر اس زیارت پر حاضری کے لئے نہیں پہنچ سکا۔

سال 03-2002 میں 5.84 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 8244 زائرین بیرونی ریاستوں سے پہنچے۔

سال 04-2003 میں 5.19 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے7489 زائرین بیرونی ریاستوں سے پہنچے۔

سال 05-2004 میں 4.70 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے6147 زائرین بیرونی ریاستوں سے پہنچے۔

سال 06-2005 میں 4.70 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 4341 زائرین بیرونی ریاستوں سے پہنچے۔

سال 07-2006 میں 4.98 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے3720 زائرین بیرونی ریاستوں سے پہنچے۔

سال 08-2007 میں 5.60 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے3773 زائرین بیرونی ریاستوں سے پہنچے۔

سال 09-2008 کے بعد اس زیارت پر غیر ملکی زائرین بھی آنے شروع ہو گئے اور پھر ہر سال ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ سال 09-2008 میں کل 5.72 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 3444 زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 489 زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 10-2009میں کل 6.97لا کھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 4388زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 343زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 11-2010میں کل 7لا کھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 7274زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 459 زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 12-2011یں کل 12.26لا کھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 15184زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 481زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 13-2012یں کل 9.80لا کھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 9464زائرین بیرون ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 316زائرین بیرون ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 14-2013یں کل 9.41لا کھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 9864زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 523زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 15-2014یں کل 10.65لا کھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 6871زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے

اور 490 زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 16-2015 یں کل 10.72 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 9547 زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 659 زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 17-2016 میں کل 13.52 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 7803 زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 602 زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 18-2017 میں کل 16.13 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 11908 زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 363 زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 19-2018 میں کل 16.41 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 8887 زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 382 زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 20-2019 میں کل 17.68 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 5992 زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اور 73 زائرین بیرونی ملکوں سے اس زیارت پر حاضری دینے پہنچے تھے۔

سال 21-2020 میں پوری دنیا کووڈ کی بیماری سے متاثر رہی اور

اس وجہ سے زیارت کو بھی 16 مارچ 2020 سے 16 اگست 2020 تک بند کرنا پڑااور جنوری 2021 تک 5 مہینوں میں کل 3.12 لاکھ زائرین نے زیارت پر حاضری دی جن میں سے 55 زائرین بیرونی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے اوراس دوران بیرونی ملکوں سے کوئی بھی زائر زیارت پر حاضری نہیں دے پائے۔

☆☆☆

انتظامیہ

پاک وہند بٹوارے تک اس زیارت کے انتظامات مجاوروں کے ہاتھوں میں رہے۔ بٹوارے سے کچھ عرصہ قبل علاقے کے سیاسی رہنما اور وار کونسل راجوری کے سربراہ مرزا محمد حسین ذیلدار اس زیارت کے صدر بنائے گئے جن کے بعد عبدالستار میر کو صدر چنا گیا۔ ان کے بعد سابق ممبر قانون ساز و آئین ساز اسمبلی عبدالعزیز شال کو صدر بنایا گیا جو 1958 سے لے کر 1969ء تک صدر بنے رہے۔ ان کے بعد سابق ممبر پالیمان اور وزیر مرزا عبدالرشید کو 1969ء میں صدر چنا گیا اور وہ اس عہدے پر 1972ء تک

رہے جن کے بعد کامریڈ غلام قادر میر صدر بنے اور وہ 1976ء تک کام کرتے رہے۔ محمد شریف طارق راجوری کی ایک سیاسی و سماجی شخصیت جو سابق وزیر تعلیم بھی رہے نے اس زیارت کے صدر کے عہدے کے طور پر 1976ء سے 1977ء تک کام کیا اور ان کے بعد قاضی محمد ریاض کچھ دیر تک صدر رہے۔

1978ء میں اس وقت کے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے اس زیارت پر جموں و کشمیر وقف ایکٹ لاگو کر کے ایک انتہائی ذہین، دیانتدار اور بے باک انسان مرحوم عبدالخالق بٹ ریٹائرڈ سپرنڈنٹ پولیس کو پہلا ناظم اوقاف اسلامیہ شاہدرہ شریف مقرر کر دیا۔

1977ء میں مقامی سبکدوش ہوئے سینئر سپر انٹنڈنٹ پولیس عبد الخالق بٹ کو اوقاف اسلامیہ ضلع راجوری کا پہلا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا۔ 8 ستمبر 1982ء کو جناب شیخ محمد عبداللہ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد ان کے بیٹے جناب ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے ریاست میں وزیر اعلی کی کرسی سنبھالی۔

1983 میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی سرکار نے بھدرواہ ڈوڈہ کے رہنے والے پڑھے لکھے اور معتبر انسان عنایت حسین بابا صاحب کو اوقاف اسلامیہ کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا جنھوں نے اپنی سرکاری زندگی اسی کام کیلئے وقف کر دی اور راجوری سے اوقاف کا دفتر منتقل کر کے شاہدرہ شریف ہی

لے گئے جہاں انھوں نے تاریخ ساز کام کئے اور اپنی چھاپ چھوڑ دی۔ **15** دسمبر **1994**ء کو عنایت حسین بابا سرکاری نوکری سے سبکدوش ہوئے اور سرکار نے ایڈمنسٹریٹر کا چارج راجوری کے اس وقت کے اسسٹنٹ کمشنر ڈیفنس خواجہ غلام محمد ڈار کو دیا۔ **1995**ء سے لے کر **1999**ء تک ایڈ منسٹریٹر کا چارج فقیر محمد اور شاہ دین کے پاس رہا لیکن اس دور میں ترقیاتی کاموں کی رفتار کافی سست ہو گئی اور پھر سرکار نے دوبارہ سے عنایت علی بابا کو بطور ایڈمنسٹریٹر لانے کا حکم صادر کر دیا اور **6** جولائی **1999**ء کو دوبارہ سے عنایت علی بابا نے بطور ایڈمنسٹریٹر کا چارج سنبھالا۔ اس سے قبل **1985**ء میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے شاہدرہ شریف کے ماسٹر پلان کو منظوری دی تھی جس کیلئے سرکار نے **3** کروڑ روپے واگذار کئے تھے لیکن بعد میں اس پراجیکٹ کے پہلے مرحلے پر **4.50** کروڑ روپے خرچ کئے گئے۔

محترم عنایت بابا اوقاف اسلامیہ راجوری کے واحد ایڈمنسٹریٹر رہے جنھوں نے **26** سال تک اوقاف کی خدمت کی اور ایمانداری اور دیانتداری سے ایسا سرمایہ اکھٹا کیا جس سے آج یونیورسٹی کا وجود ہوا ہے۔ عنایت حسین بابا مسجد محلہ بھدرواہ ضلع ڈوڈہ کے رہنے والے تھے۔ پیشہ سے وکیل تھے اور ہائی کورٹ سرینگر میں وکالت کرتے تھے۔ **1983**ء میں ان کو شاہدرہ شریف زیارت کا ایڈمنسٹریٹر بنایا گیا اور بیچ کے کچھ سال چھوڑ کر کل ملا کر

انہوں نے 26سال یہاں دئے۔ 26جنوری 2009ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ان کی وفات کے بعد گھر کی ذمہ داری ان کی اہلیہ محترمہ شمیم اختر کے کاندھوں پر آ گئی جنھوں نے اپنے بچوں کی بہت ہی بہتر ڈھنگ سے پرورش کی۔ان کا بیٹا یاسر بابااس وقت باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی میں بطور ہیڈ اسسٹنٹ جموں کے کیمپ دفتر میں کام کررہا ہے۔انھوں نے اپنی دو بیٹیوں حنا کوثراور صبا مسرت کو بھی پڑھا لکھا کر بڑا کیا۔ چاہے وہ شاہدرہ شریف زیارت کی تاریخ ہو یا پھر باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کی تاریخ ہو، مرحوم عنایت حسین بابا کی کاوشوں کو سنہرے حروف سے لکھاجائے گا۔ان کی وفات کے بعد تھوڑے عرصے کیلئے سرکار نے اسسٹنٹ کمشنر ریونیو راجوری شاہباز مرزااور پھر فقیر محمد کوبطور ایڈمنسٹریٹر تعینات کیا۔

2015ء میں جب محترم مفتی محمد سعید کی سرکار دوبار آئی توانہوں نے راجوری کے اپنی پارٹی کے ضلع صدر محترم عبدالقیوم ڈار کو بطور چیئرمین اوقاف اسلامیہ راجوری مقرر کیا۔عبدالقیوم ڈار صاحب کاایک بہترین ماضی رہاتھااوران کے کردار کی بنیاد پر اُن کو یہ عہدہ دیا گیا۔1944ء میں وہ غلام محمد ڈار صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔راجوری میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد پولیس کی نوکری شروع کی اور 2004ء میں بطور سپر انٹنڈنٹ پولیس سبکدوش ہوئے جس کے بعد پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی میں اپنا سیاسی سفر شروع

کیا اور بعد میں جناب مفتی محمد سعید نے انہیں چیئرمین بنایا۔ اپنی قابلیت سے انہوں نے شاہدرہ شریف ہی نہیں بلکہ راجوری کی تمام زیارتوں کا نقشہ ہی بدل ڈالا اور ان کی محنت سے 2018ء میں اوقاف اسلامیہ راجوری کے پاس سالانہ آمدن 12 کروڑ روپے تک پہنچ گئی اور 2019ء میں یہ بڑھ کر 14 کروڑ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

2018ء میں شاہدرہ شریف زیارت پر کل 13 لاکھ زائرین نے حاضری دی جن میں سے 365 بیرون ملک سے تھے اور 7672 لوگ بیرون ریاست سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دور میں ماڈل زیارت کے منصوبے کو بھی عملی جامہ پہنایا گیا اور نئے گیسٹ ہاوس تعمیر کئے گئے۔

جولائی 2020ء میں پونچھ کے رہنے والے ایک قابل آفیسر محمد اشرف چودھری (کے اے ایس) کو اوقاف اسلامیہ راجوری کا ایڈمنسٹریٹر بنایا گیا۔ یہ ان کے پاس اضافی چارج تھا کیونکہ وہ ضلع انتظامیہ راجوری میں بطور اسسٹنٹ کمشنر محکمہ مال بھی کام کر رہے ہیں۔

انھوں نے نہ صرف شاہدرہ شریف زیارت کے کاموں میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا بلکہ راجوری ضلع میں اوقاف جائیداد کے تحفظ کے لئے کافی کار آمد اقدامات اٹھائے اور کئی جگہوں پر چل رہے تنازعات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ ان کے دور میں اگرچہ کووڈ بیماری پھوٹ پڑنے سے

کچھ زیارتوں کی آمدن کم ہوئی لیکن مجموعی طور پر دیکھا جائے تو کچھ ہی ماہ کے اندر زائرین کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ انھوں نے شاہدرہ شریف زیارت کی آمدن سے فلاحی کام بھی شروع کئے جس سے عوام کے اندر اُن کی کافی سراہنا کی گئی۔ اپریل 2021ء کے مہینے میں سرکار نے ان کا تبادلہ کر دیا اور اب موجودہ وقت میں راجوری کے ہی ایک کے اے ایس آفیسر جناب طاہر مصطفیٰ ملک صاحب کو بطور اسسٹنٹ کمشنر محکمہ مال راجوری مقرر کیا گیا ہے اور انہیں بطور ایڈمنسٹریٹر اوقاف کا بھی اضافی چارج دیا گیا ہے۔ انھوں نے بھی اپنا کام خوش اسلوبی سے شروع کیا ہے۔

☆☆☆

باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی

نہ صرف راجوری پونچھ بلکہ دنیا کے تمام حصوں میں حضرت باباغلام شاہ بادشاہ کا نام عزت واحترام سے لیا جاتا ہے۔ان کے نام پر راجوری میں ایک ادارہ قائم کیا گیا جس کو باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

راجوری پونچھ لوگوں کی قربانیوں اور فورم فار قیام بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کے بینر تلے عام لوگوں اور دانشوروں کی جدوجہد کے بعد سابق وزیر اعلی ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی سربراہی میں ریاستی حکومت نے

2002ء میں باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی ایکٹ نمبر16 پاس کیا۔اس وقت کے وزیر تعلیم محمد شریف طارق صاحب کی کاوشوں کی وجہ سے اس بل کواسمبلی میں لایا گیااور پاس کرایا گیا۔ایکٹ وجود میں آنے کے بعد ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے محمد شریف طارق کے اصرار پر راجوری کا دورہ کیا اور دھنور پہنچ کراس یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھااور ایک پتھر دھنور گاؤں میں نصب کیا۔یہ پتھر برآمد تو نہیں ہوسکالیکن کہا جاتا ہے کہ جس جگہ آج یونیورسٹی موجود ہےاس جگہ تک پہنچنا ناممکن تھااسلئے ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے ایک کلومیٹر پہلے ہی ایک پتھر یونیورسٹی کے نام کانصب کروایا تھا جو یونیورسٹی کے پار گاؤں دھنور میں کچھ سال تک موجود رہااور بعد میں اس کا کوئی اتہ پتہ نہ چلا۔اس کے بعد باضابطہ یونیورسٹی کے لئے زمین کی نشاندہی ہوئی اور 15دسمبر2004 کوجناب مفتی محمد سعید نے یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھااور 29اگست 2005ء کویونیورسٹی میں چار کورسوں کے ساتھ تعلیم کا آغاز کردیا گیا۔

یونیورسٹی کا سنگ بنیاد 15دسمبر2004ء کو رکھا گیااور اس تقریب کے صرف82دن کے بعد یعنی 7مارچ2005ء کواس یونیورسٹی کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے نوٹیفکیشن نمبرCPP-I 9-5/2005 کے تحت منظوری دے دی جبکہ کلاسیں شروع کرنے سے دو ماہ قبل ہی 21جون

2005 کو ایم سی اے اور ایم بی اے پروگرام کو چلانے کیلئے آل انڈیا کونسل فار ٹیکنیکل ایجوکیشن کی منظوری نوٹیفکیشن نمبر PG/MBA/JK/2005/04 کے تحت ہوئی۔

اسی دوران پروجیکٹ ڈائریکٹر مسعود احمد چودھری صاحب کو یونیورسٹی کا پہلا وائس چانسلر مقرر کیا گیا جنھوں نے ایک ہی سال کے اندر یونیورسٹی کی ترقی میں چار چاند لگادئے اور سچ مچ جنگل میں منگل کر دیا۔ ایک شامیانے سے شروع ہونے والی اس یونیورسٹی میں آج یعنی 2019ء میں 85 عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں۔ مسعود احمد چودھری صاحب کے بعد 2010 میں پروفیسر ارشاد احمد حمال کو بطور وائس چانسلر مقرر کیا گیا۔ انھوں نے بھی اپنی کوشش کو آگے بڑھایا اور اس یونیورسٹی کو تیزی کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں پورا وقت صرف کیا۔ اُن کی بطور وائس چانسلر معیاد ختم ہونے والے دنوں میں یونیورسٹی میں ایسے ماحول نے جنم لیا جس سے یونیورسٹی کو کافی نقصان پہنچا مگر یونیورسٹی نے دوبارہ سے اُس وقت ترقی کی رفتار پکڑلی جب سرکار نے بیرون ریاست سے بین الاقوامی سطح کی صلاحیت کے مالک ماہر تعلیم و سائنس دان پروفیسر جاوید مسرت کو اکتوبر 2015 میں بطور وائس چانسلر مقرر کیا۔ اس عرصے میں ہی اس یونیورسٹی نے ایسی ترقی کی کہ انڈیا ٹو ڈے گروپ نے جب ملک کی 850 یونیورسٹیوں کا سروے کیا تو بابا غلام

شاہ بادشاہ یونیورسٹیء کو 36ویں مقام پر پایا۔ اس سروے کے مطابق جموں کشمیر میں بابا غلام شاہ بادشاہ یونیوسٹی کا نام پہلا نام بن گیا۔

ان کے بعد کشمیر یونیورسٹی کے بایو کیمسٹری کے پروفیسر جناب ڈاکٹر اکبر مسعود کو یونیورسٹی کا چوتھا وائس چانسلر بنایا گیا جنھوں نے فروری 2021ء میں اس یونیورسٹی کا کام کاج سنبھالا اور ایک ہی مہینے کے اندر انھوں نے کئی ایسے اقدامات اٹھائے جن سے انہیں نہ صرف عوامی حلقوں میں مقبولیت ملی بلکہ یونیورسٹی کے اندر بھی ورک کلچر کو مظبوط بنایا گیا۔ پروفیسر اکبر معسود نے کام شروع کرتے ہی یونیورسٹی کے لئے 20 سالہ منصوبہ تیار کرنے کا نشانہ باندھا اور اس کے لئے مقامی لوگوں کی رائے بھی طلب کی۔ ادارے میں ڈیوٹی اوقات کو برابر نبھانے کے لئے انھوں نے مکمل ضابطہ قائم کیا اور خود بھی وقت پر دفتر میں تشریف لانا شروع کیا جس سے پوری یونیورسٹی میں ایک اچھا پیغام گیا۔ یونیورسٹی کو مزید فعال بنانے کے لئے وہ دن رات محنت کررہے ہیں اور امید کی جاسکتی ہے کہ ان کی سربراہی میں یہ ادارہ کافی ترقی کرے گا۔

4 کورسوں (ایم اے عربی، ایم سی اے، ایم بی اے اور ایم ایس سی اپلائڈ میتھ مٹکس) سے شروع ہونے والی اس یونیورسٹی میں آج 9اسکول، 20شعبے، 4 کالج، 1 پالی ٹیکنک کالج اور دو نرسنگ سنٹر چل رہے ہیں۔ اس

وقت یونیورسٹی میں کل 60 کورس چل رہے ہیں جن میں 18 پوسٹ گریجویٹ کورس، 12 انڈر گریجویٹ کورس اور 8 ڈپلومہ کورس شامل ہیں۔ یونیورسٹی کے کورسوں کو آل انڈیا کونسل فار ٹیکنیکل ایجوکیشن اور انڈین نرسنگ کونسل کی منظوری حاصل ہے۔ اس وقت تمام پوسٹ گریجویٹ کورسوں میں ریسرچ کورس بھی شروع کئے گئے ہیں۔

پوسٹ گریجویٹ کورسوں میں اس وقت ماسٹر آف کمپیوٹر سائنس، ماسٹر آف کمپیوٹر اپلی کیشن، ماسٹر آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، ماسٹر آف اپلائڈ میتھ مٹکس، ماسٹر آف میتھ مٹکس، ماسٹر آف اسلامک اسٹیڈیز، ماسٹر آف عربک، ماسٹر آف اردو، ماسٹر آف انگلش، ماسٹر آف ایجوکیشن، ماسٹر آف بایوٹیکنالوجی، ماسٹر آف بوٹنی، ماسٹر آف زولوجی، ماسٹر آف مائکروبایولوجی، ماسٹر آف فزکس، ماسٹر آف بزنس ایڈمنسٹریشن، ماسٹر آف بزنس (ہاسپٹالٹی اینڈ ٹورزم)، ماسٹر آف اکنامکس موجود ہیں جبکہ انڈر گریجویٹ کورسوں میں بی ٹیک سیول انجینئرنگ، بی ٹیک کمپیوٹر سائنس انجینئرنگ، بی ٹیک الیکٹرانکس اینڈ کمونی کیشن انجینئرنگ، بی ٹیک انفارمیشن ٹیکنالوجی انجینئرنگ، بی ٹیک الیکٹریکل انجینئرنگ، بی ای سول انجینئرنگ، بی ای الیکٹریکل انجینئرنگ، بی بی اے، بی ایڈ، بی اے عربک آنرز اور بی واک ٹورزم وٹریول مینجمنٹ۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی نے 2016ء میں تین نرسنگ

کالج کھولے جن میں سے ایک کالج یونیورسٹی کیمپس میں موجود ہے۔ایک جموں اور ایک کشتواڑ میں کھولے گئے۔ان کالجوں کا کھولنا وائس چانسلر کیلئے ایک بڑا چیلنج تھا لیکن انہوں نے ایک ہی سال کے عرصے میں تینوں کالجوں میں کلاسیں شروع کرائیں اور اس وقت ان تینوں کالجوں میں بی ایس سی نرسنگ کا کورس چلایا جارہا ہے۔

یونیورسٹی میں 8 ڈپلومہ کورس بھی چلائے جارہے ہیں جن میں سول انجینئر نگ ، الیکٹریکل انجینئر نگ، میکینکل انجینئر نگ، الیکٹرانکس و کمونی کیشن انجینئر نگ کے ساتھ ساتھ ٹوریزم اینڈ ہاؤس پٹلٹی ، فرنٹ آفس، ہاؤس کیپنگ اور فوڈ و بیوریجز پر بھی ڈپلومہ کورس شروع کئے گئے۔ 2017ءور 18 کے سال میں 24 پی ایچ ڈی ڈگریاں تفویض کی گئیں جبکہ کل ملا کر 2019ء کے شروع میں اس یونیورسٹی میں 140 کے قریب ریسرچ اسکالرس الگ الگ شعبوں میں تحقیقی کام سرانجام دے رہے ہیں۔

تاثرات

بھلیسیؔ ہمارا قیمتی سرمایہ

ہمالیائی سلسلے کی اک پہاڑی بستی بھلیسہ (ڈوڈہ) کے اس میانہ قد، دبلے پتلے سے جوان کو قریب سے اور غور سے دیکھو گے تو پتہ چلے گا کہ وادیء چناب کے فلک چھوتے کوہستانوں کی بلندی اور اتھاہ گہرے دریاے چناب کی خاموشی کے اثرات اس نوجوان کی رگ رگ میں سمائے ہوئے ہیں۔

اعلیٰ ذوق، معیاری گفتگو جذبہ خدمت سے مزیّن یہ جوان، صدیوں جئے۔ صحافت، سائنس، تاریخ اور سماجی شعور سے لیس مسٹر بھلیسی ہمارا قیمتی سرمایہ ہے۔

قابل صد مبارک ہیں وہ والدین جنہیں ایسا فرزند نصیب ہوا۔

موصوف پچھلے پندرہ سال سے راجوری کو مسکن بنائے ہوئے یہاں کے علمی مرکز باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کو اپنی محبت، جانفشانی اور خلوص سے سیراب کر رہا ہے اور اب پوری دنیا میں اردو کو ہر دل عزیز زبان بنانے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے۔

کتنی خوبصورت سوچ، کیا بلند عزائم!۔اس پُر عزم فرزند کے لئے وادی چناب کے ذرے ذرے کو مبارک۔

کئی کتب کے مولف، ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی ان دنوں " باباغلام شاہ بادشاہ: تاریخ، شخصیت، کرامات،، کے حوالے سے کوئی کتاب لکھ رہے ہیں۔امید ہے اس کتاب کو بھرپور پذیرائی ملے گی۔ اللہ تعالٰی ان ساری خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔۔ ڈاکٹر ذاکر بھلیسی آپ کے لئے میری ڈھیروں ڈھیر دعائیں۔

نصیب ہو تجھے ایسا عروج دنیا میں

کہ آسماں بھی تری رفعتوں پہ ناز کرے۔

خورشید بسملؔ

سرپرست، مسلم ایجوکیشنل ٹرسٹ (جے کے)

تھنہ منڈی راجوری

7۔اپریل 2021ء۔

آفاقی ذہن کے مالک

ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی جموں و کشمیر کے اُس خطہ ءِ ارضی سے تعلق رکھتا ہے جس کو عرفِ عام میں بھلیس کہتے ہیں۔ یہ خطہِ ارضی نہایت ہی بھلا اور لا ثانی ہے۔ نیز اس علاقہِ بے نظیر کو رانی بھلا نے دریافت کیا تھا اسی مناسبت سے اس خطے کے نام کی وجہ تسمیہ یہاں کے محکمہِ مال کے بندوبستی دستاویزات میں درج ہے۔ یہ خطہِ ارضی اپنے ساکنین کے لئے ہر دور میں اور زندگی کے تمام شعبہ جات میں مردم خیز واقع ہوا ہے۔ اس خطہِ ارضی نے اپنی گود میں ہزارہا شاہین صفت افراد پالے ہیں۔ جنہوں نے ملک و ملت کی رہبری

اور رہنمائی میں اپنے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔جن کی تعریف و توصیف نہایت تفصیل طلب ہے۔انہی جاں نثاروں سے ضیاپا کر دورِ حاضر میں کئی نمایاں نوجوان اپنا کلیدی رول ہر میدان میں ادا کر رہے ہیں جن میں سے ایک آفاقی ذہن رکھنے والے جواں سال انسان دوست ادب پسند شخصیت کا نام ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی ہے جن کا ادبی، لسانی اور ثقافتی شعور نہایت ہی بالیدہ ہے۔یہ امتیازی وصف انِ کو وراثت میں ملا ہے۔اُن کے والدِ بزرگوار مسمی محترم غلام حسین ملک درد پیامی صاحب کو بھلیسہ کی سرزمین میں استادوں کا اُستاد ہونے کا شرف حاصل ہے اور راقم کو انگریزی ادبیات کے حوالے سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے۔ادب و ثقافت کی ترویج و تدوین و ترسیل اُن کا محبوب ترین مشغلہ رہا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔راقم نے اپنے علاقے کے بارے میں جو بھی حاصل کیا وہ مواد صاحبِ موصوف سے ہی حاصل کیا ہے۔بہ فضلِ تعالیٰ اس وراثت میں ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی کی وجہ سے روز بہ روز وسعت پیدا ہو رہی ہے۔اب امید ہے کہ یہ کارواں خطہِ چناب کی بلند و بانگ چوٹیوں کو عبور کرتے ہوئے خطہِ پیر پنچال اور وادیِ چناب کو اپنے حصار میں لے کر سات سمندر پار مشرق و مغرب تک اپنے بال و پر پھیلائے گا۔ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی جس محنت اور جانفشانی کے ساتھ اور جس سرعت روی کے ساتھ اس خاکے میں عالمی تحریکِ اُردو کے

پرچم تلے رنگ بھر رہے ہیں اس سے یہ بعید نہیں کہ یہ ہفت رنگ اقلیم مستقبل قریب میں ایک منارہء نور کی حیثیت حاصل کرے گی۔اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ یہ کارواں دن دد گنی اور رات چو گنی ترقی کرے اور ڈاکٹر ملک صاحب موصوف کے ذوق کو تازگی وشادابی عطا کرے۔ آمین۔

فقط وسلام

ڈاکٹرامتیاز زرگر بھلیسی

اسسٹنٹ پروفیسر،اردو

گورنمنٹ ڈگری کالج،ڈوڈہ

4اپریل 2021

با کمال و با صلاحیت شخصیت

کمال یہ نہیں ہے کہ اُردو ادب سے جڑے لوگ اُردو کی خدمت کررہے ہیں۔ یہ تو اُن کا فرض ہے کیونکہ کہیں نہ کہیں ان کا ذرائع روزگار بھی اس سے جڑا ہوا ہے۔

کمال یہ ہے کہ جب لوگ انگریزی، سائنس، انجینئرنگ اور ریاضی جیسے مضامین سے جڑے ہیں اور اردو کی بے لوث خدمت کررہے ہیں۔ ایسے ہی با کمال و باصلاحیت شخصیات میں ایک کا نام ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی ہے جو ہندوستان کی جموں کشمیر ریاست کے دور دراز بھلیس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اور سائنس کے طالب علم ہونے کے باوجود اس وقت عالمی سطح پر اردو کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ان کی سربراہی میں ایک تنظیم عالمی تحریک اردو دنیا کے کئی ممالک میں کام کررہی ہے اور یہ اس تنظیم کے صدر

منتخب کئے گئے ہیں اور خوش اسلوبی سے اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اردو زبان میں ان کی کئی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں اور تاریخی موضوعات پر اُن کی کتابیں ریسرچ اسکالروں میں کافی مقبول بھی ہوئی ہیں۔

حالانکہ میں بہت عرصہ سے برطانیہ میں مقیم ہوں لیکن انٹرنیٹ نے دنیا کو گلوبل ولیج بنادیا ہے اور اسی لئے دنیا میں اردو کو لے کر ہو رہے ہیں، کام کی جانکاری بھی موصول ہوتی رہتی ہے۔ انٹرنیٹ کی مدد سے ہی مجھے ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی صاحب کی کچھ کتابوں کو پڑھنے کا موقع ملا اور ان پر زی نیوز اور ایشین نیوز انٹرنیشنل کی ڈاکومنٹری سے معلوم ہوا کہ چھوٹی سی عمر میں ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی نے وہ کام کردکھایا ہے جس کے لئے ایک عمر درکار ہوتی ہے۔ سال 2020ء میں ان کو کتاب ”دانش گاہ“(بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کی تاریخ) کے لئے سال ایشین ایجوکیشن ایوارڈ سے بھی سرفراز کیا گیا ہے جو خود میں ایک بڑی کامیابی ہے۔

میں ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی کو انگلینڈ کے اپنے تمام اردو ساتھیوں کی طرف سے مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی ” بابا غلام شاہ بادشاہ: تاریخ، شخصیت، کرامات ،،نام سے کتاب منظر عام پر آرہی ہے۔ امید ہے کہ ان کی یہ کتاب مفید ثابت ہو گی۔

(پرویز مظفر)
برمنگھم، برطانیہ
7اپریل 2021

فن کا جادوگر: ذاکر ملک بھلیسی

چلتا رہوں میں پتھ پر چلنے میں ماہر ہو جاؤں گا
یا تو منزلیں مل جائیں گی، یا اچھا مسافر بن جاؤں گا

ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی کو میں جتنا جانتا ہوں اُس سے مندرجہ بالا شعر کی طرح پر عزم پاتا ہوں۔ عالمی تحریک اردو تنظیم کے سلسلے میں گفتگو ہوئی۔ ذاکر باتوں باتوں میں کب دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے، پتہ ہی نہیں چلتا۔ اُس کا اندازِ گفتگو، ملائم لہجہ، اعتماد اور مقصد سامنے والے کو اس کے سلسلے میں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔

اُس کی شخصیت بھی جادوئی ہے۔ میانہ قد، بولتا ہوا چہرہ، شیریں زبان، لفظوں کا ذخیرہ ہر وقت ان کے استعمال کا ہنر اس نوجوان میں کوٹ

کوٹ کر بھرا پڑا ہے۔ مجھے ذاکر سے بات کرکے تازگی ملتی ہے، میری قوت کو جلا ملتی ہے، تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے، ذہن کرشمائی طور پر بیدار ہو جاتا ہے کیونکہ میں بھی عمر کے اِس دور سے گزر چکا ہوں لیکن اس بندے کو اللہ تعالیٰ نے کچھ زیادہ ہی نوازہ ہے۔

کئی کتابوں کا مصنف ہے۔ اور اب ایک اور کارنامہ انجام دینے جارہا ہے۔ "بابا غلام شاہ بادشاہ: تاریخ، شخصیت، کرامات،، کے نام سے کتاب لکھ رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب ساری دنیا میں پذیرائی حاصل کرے گی اور کتابوں کی دنیا میں عظیم اضافہ ثابت ہو گی۔ مجھے ڈاکٹر ذاکر ملک کی تخلیقی صلاحیتوں پر اُتنا ہی بھروسہ ہے جتنا آفتاب کے ہر روز طلوع اور غروب ہونے پر ہے۔

میں ذاکر کو اُس کے اس اقدام کے لئے دل کی عمیق گہرائیوں سے پیشگی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

رونق جمال

(ڈرامہ، اسکرپٹ، مکالمہ، کہانی وافسانہ نگار)

رکن چھتیس گڑھ اردو اکادمی

آدرش نگر، درگ، چھتیس گڑھ

19 مارچ 2021

کتاب۔ نذرانہ ء عقیدت

عالمی تحریک اردو نے مظفر حنفی عالمی اردو ایوارڈ کے اجرا کی تقریب کا اہتمام کیا اور اولیں ایوار برائے سال ۲۰۲۱ ڈاکٹر محبوب راہی کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں پیش کیا۔ اس فیس بک تقریب میں پروفیسر مظفر حنفی مرحوم کے لائق فرزند نظم و غزل کے معروف شاعر پرویز مظفر کے ایما پر مجھے بھی شرکت کا موقع ملا اور یوں جانے مانے قلمکار محترم محمد مشتاق وانی کی ماہرانہ نظامت سے لطف اندوز ہوا اور تحریک کے جواں سال صدر من موہنی شخصیت کے مالک ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی سے متعارف اور متاءثر بھی ہوا ، آپ باباغلام باوشاہ یونیورسٹی راجوری سے منسلک ہیں۔ بنیادی طور پر سائنس کے بندے ہیں مگر اردو کے عشق میں مبتلا ہو گئے ہیں موج رامپوری نے سچ

ہی کہا تھا:-

دوستو جاں سے گزرتا کون ہے
عشق ہو جاتا ہے کرتا کون ہے

ان کے اس اردو عشق نے یہ رنگ دکھایا کہ راجوری رہائش گاہ کے باہر اردو آشیانہ لکھا ہے بھلیسہ میں واقع اپنے گھر کا نام اردو گھر رکھا ہے-

"باباغلام شاہ بادشاہؒ: تاریخ، شخصیت، کرامات،، سے قبل ان کی دو اردو کتابیں دانش گاہ اور رہبر دل عزیز شائع ہو چکی ہیں۔ کتاب ہذا کیا ہے باباغلام بادشاہ کے کمالات اور برکات کا عقیدت مندانہ اظہار۔

افتخار عارف نے کہا تھا:-

ہم اپنے رفتگاں کو یاد رکھنا چاہتے ہیں
دلوں کو ان کی یاد سے آباد رکھنا چاہتے ہیں

کچھ ایسی بھی شخصیات ہوتی ہیں کہ جن کی یاد ہمارے دلوں کو منور کر دیتی ہے اس سے قبل بھی باباجی کے کمالات اور حالات زندگی پر ممتاز موءرخین نے خوب لکھا ہے۔ کتاب ہذا کے مصنف بھی اپنی کتاب دانش گاہ میں کچھ احوال لکھ چکے ہیں.

باباغلام شاہ بادشاہؒ کون ہیں! اس موضوع پر تمام اہم تحریروں کا نچوڑ مختصر ترین الفاظ میں پیش کیا ہے گویا ہنر مندی سے دریا کوزے میں بند کیا ہے.

مقصد بھی بھلا ہے کہ اس مصروف عہد میں قارئیں کم سے کم وقت میں باباجی کی پاکیزہ زندگی کے حالات وواقعات اوران کمالات جان سکیں.

اس چھوٹی سی کتاب میں حضرت باباغلام بادشاہ کی کرامات ان کی ملی خدمات اورریاست کے راجاکی مخالفت کااحوال بیان کیاہے ۔باباجی کے فیض عام ان کے وصال اور مزار پر عقیدت مندوں کی بڑھتی تعداد کے ساتھ محکمہ اوقاف کی آمدن میں اضافہ کا بھی احوال ہے ۔راجوری میں وقف املاک اور اوقاف اسلامیہ کے متعدد فلاحی کام بھی نمایاں کئے ہیں -مجھے یقین ہے کتاب کی زباں سادہ اوررواں جملے قارئیں کومتاءثر کریں گےاورڈاکٹرذاکر کے تخلیقی جوہر مزید نکھر کے ہمارے سامنے آئیں گے ان کی اس عالمانہ و عقیدت مندانہ تخلیق پرہدیہء تبریک پیش خدمت ہے۔

احمد مسعود

نوٹنگھم برطانیہ

۱۰اپریل۲۰۲۱

حرفِ آخر

میں اللہ تعالی کا مشکور ہوں کہ جس نے مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں حضرت باباغلام شاہ بادشاہ جیسی روحانی شخصیت پر کچھ لکھ سکوں۔ یہ کام تبھی ہوتا ہے جب ہمیں اس کی توفیق ملتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آج یہ کتاب مکمل ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے۔

اس کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کو کم وقت میں حضرت باباغلام شاہ بادشاہ کی شخصیت کا اندازہ ہو گیا ہو گا اور کتاب لکھنے کا یہی مقصد بھی تھا کہ کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ تفصیلات آپ تک پہنچائی جا سکے تا کہ

انٹرنیٹ کے اس دور میں آپ اس کو پڑھ پائیں اور سمجھ پائیں۔

اس کتاب کا مواد اکھٹا کرنے میں اوقاف اسلامیہ راجوری کا اہم رول رہا ہے۔ میں ان کا شکریہ ادا کرنا ہوں اور خصوصی طور میں اوقاف اسلامیہ کے ایڈمنسٹریٹر جناب محمد اشرف چودھری (کے اے ایس) جو اسسٹنٹ کمشنر ریونیو بھی رہ چکے ہیں کا مشکور و ممنون ہوں جنھوں نے اپنا تعاون دیا۔

صرف یہ کتاب نہیں بلکہ جو کچھ بھی میں آج تک لکھ چکا ہوں اس کے پیچھے میرے اہل خانہ کا اہم رول رہاہے اور میں ان کا شکریہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چاہے وہ دفتر ہو یا گھر، میرے اہل خانہ کو میرے ساتھ کئی کئی روز بعد ملاقات ہوتی ہے کیونکہ میں ایسے کاموں میں مصروف رہتا ہوں جو وقت مانگتے ہیں اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں ناانصافی کرکے اہل خانہ، بال بچوں کا وقت بھی ایسے کاموں میں صرف کردیتا ہوں لیکن اس کے باوجود آج تک میری شریک حیات مبینہ کوثر جو باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی میں خود بھی ملازم ہے نے کبھی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی میرے کسی کام میں رکاوٹ پیدا کی۔ اس کے برعکس انھوں نے مجھے اس کام میں ہمیشہ تعاون دیا۔ بنیادی طور پر میں اگر کچھ لکھتا ہوں تو اس کا تمام تر کریڈیٹ میری شریک حیات کو ہی جاتا ہے کیونکہ ان کے تعاون کے بنا شاید یہ کام میں کبھی

بھی نہیں کر پاتا۔ میرے بچوں ذیان ملک اور ریان ملک نے بھی کبھی کوئی ایسی ضد نہیں کی اور انھوں ے بھی اس کام میں ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔ اسلئے میں اپنی شریک حیات محترمہ مبینہ کوثر اور بچوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

میں ان تمام لوگوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا اور میری کوششوں کو سراہا۔ میرے والدین جناب غلام حسین ملک صاحب اور والدہ مرسا بیگم کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کی وجہ سے میں اس لائق ہوں کہ آج کچھ پڑھ اور لکھ سکتا ہوں۔ میں اپنے والدین کا ہمیشہ مشکور و ممنون ہوں جنھوں نے ایک ایسا ماحول دیا جس میں مجھے آگے بڑھنے کا ایک راستہ مل گیا۔

میں اپنے تمام اساتذہ کا بھی مشکور ہوں جنھوں نے میری زندگی پر اثرات ڈالے اور میں آدمی سے انسان بننے کے سفر کو طے کر پایا۔ سب سے پہلا استاد میری ماں مرسا بیگم ہے جنھوں نے بات کرنا سکھایا اور اخلاقیات کا درس گود میں دیا، میرے دوسرے استاد میرے والد جناب غلام حسین ملک درد پیامی ہیں جنھوں نے اسکول داخل کرایا اور پھر گیارویں کلاس میں وہ ہمارے انگریزی کے لیکچرار بھی رہے۔ میں ان کا مشکور ہوں۔

میں ان تمام اساتذہ کا نام لئے بغیر نہیں رہ سکتا جنھوں نے میری تعلیم و تربیت میں اہم رول ادا کیا۔، جناب ماسٹر عنایت اللہ (بھرتی والے)، جناب

محمد امین متو ،جناب مرحوم جان محمد مولوی (بھرتی والے)، جناب رحمت اللہ (کلہوتران والے)، جناب مولوناشوکت علی (بھرتی والے)، جناب ماسٹر محی الدین ڈار (گندو والے)، جناب ماسٹر منی رام جی (ککوٹی والے)، جناب مرحوم ماسٹر منیرچوگانی (کنڈولو والے)، جناب ماسٹر کلبیر سنگھ جی (ریلا والے۔ موجودہ سینئر سپر انٹنڈنٹ پولیس)، جناب ماسٹر مہر چند چوہان (ریلا والے)، جناب ماسٹر صلاح الدین میر (گواڑی والے)، جناب ماسٹر بلونت سنگھ کانت (موجودہ زیڈ ای او)، جناب پردیپ کمار چپ (ریلا والے۔موجودہ پرنسپل)،جناب مرحوم ماسٹر غلام حسین بھال،جناب دارا سنگھ (کے اے ایس)، جناب کوشل کمار (گواڑی والے) جناب فرید احمد فانی (بھدرواہ والے۔ موجودہ زیڈ ای او)، جناب اوم پال سائنس ٹیچر (گندو والے)، جناب ماسٹر نظیر چوگانی (کنڈولو والے)، جناب مہر چند پریہار (بسران والے)، جناب فضل دین چودھری (ڈھڈ کائی والے)، محترمہ للتا کوتوال (گندو والی)، جناب منموہن سنگھ (چونری والے)، جناب ڈاکٹر شفقت رفیقی (بھدرواہ والے۔ موجودہ پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ)، جناب ڈاکٹر جاوید مغل (موجودہ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج راجوری)، جناب ڈاکٹر جاوید زرگر (چوچلو والے۔ موجودہ پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج کلہوتران)، جناب ڈاکٹر بشارت مرزا (بھدرواہ

والے۔ موجودہ پرنسپل)، جناب ڈاکٹر جاوید خطیب (بھدرواہ والے)، جناب ڈاکٹر یشپال شرماموجودہ پروفیسر باٹنی جموں یونیورسٹی)، جناب جاوید خان (بھدرواہ والے موجودہ ٹیچر)، ڈاکٹر روی کانت (بھدرواہ والے) اور جناب عمر دین (بھلیس والے۔ موجودہ پروفیسر) شامل ہیں جن تمام کا میں مشکور وممنون ہوں اوران ہی کی تعلیم وتربیت سے کچھ لکھ یا پڑھ پاتا ہوں۔

میں جناب پروفیسر اکبر معسود، وائس چانسلر بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کا خصوصی طور مشکور ہوں جنھوں نے کتاب پر گراں قدر پیش لفظ لکھا۔ کتاب پر تقریظ لکھ کر ڈاکٹر لیاقت نیرؔ، اسسٹنٹ پروفیسر اردو بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی نے مجھے شکریہ کا موقع بخشا جبکہ جناب خورشید بسمل، سرپرست مسلم ایجوکیشنل ٹرسٹ، تھنہ منڈی، جناب پرویز مظفر، معروف شاعر و ادیب انگلینڈ، بھلیس کے معروف ادیب واسسٹنٹ پروفیسر اردو جناب ڈاکٹر امتیاز زرگر بھلیسی، چھتیس گڑھی فلم انڈسٹری کے کلا کار اور اردو میں پچکانچہ صنف کے مام جناب رونق جمال اور دنیا کے معروف شاعر برطانیہ کے احمد مسعود صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے اپنے تاثرات دیکر میری حوصلہ افزائی کی اور مزید کام کرنے کے لئے ہمت بڑھا دی۔

آنے والے وقت میں میری راجوری پونچھ کے تعلیمی پس منظر کے

حوالے سے ایک کتاب، بھلیس کے تاریخی و سماجی پس منظر پر ایک کتاب، پاپامیاں اور پونچھ کے متعلق ایک کتاب اور آزادی راجوری کے نام سے ایک کتاب شائع ہونے والی ہے جن پر کام چل رہا ہے۔

اگر اس کتاب میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو مجھے امید ہے آپ مجھے معاف کریں گے۔

ذاکر ملک بھلیسی

مصنف

ماخذ

مرزا ظفراللہ خان	:	تاریخ راجگان راجور
دیوان کرپارام	:	گلاب نامہ
محمد دین فوق	:	تاریخ اقوام پونچھ
ڈاکٹر بشیر ماگرے	:	مونو گراف 2007
ڈاکٹر بشیر ماگرے	:	شہنشاہ جبال
امیر محمد شمسی	:	ڈوگرہ عہد کا راجوری
طاہر خورشید رینہ	:	باباغلام شاہ یونیورسٹی ڈریم کم ٹرو

خوش دیو مینی : تاریخ پونچھ

ذاکر ملک بھلیسی : دانش گاہ (یونیورسٹی کی تاریخ)

یونیورسٹی پہلا نیوز لیٹر : (ایڈیٹر ذاکر ملک بھلیسی)

شہاب الدین ملک : کتابچہ سوانح حیات بابا غلام شاہؒ

غلام احمد ڈار : کتابچہ حضرت بابا غلام شاہؒ

جانکی ناتھ : جموں شرائن

ڈاکٹر ماہر القادری : سید غلام علی شاہ بادشاہ رحمت اللہ علیہ

کامریڈ غلام قادر میر : بابا غلام شاہ بادشاہؒ، شاہدرا شریف

کے ڈی مینی : سید غلام شاہ بادشاہ، راجوری

خواجہ محمد دین بانڈے : پونچھ تاریخ کے آئینہ میں

Baba Ghulam Shah Badshah (R)

(Tareekh, Shakhsiyat, Karamaat)

by

Dr. Zakir Malik Bhallesi





"بڑی محنت اور علمی جذبے سے سرشار ہو کر ذا کر ملک بھلیسی نے ایک ایسی کتاب لکھ ڈالی ہے جس کی فہرست مضامین اس بات کا ٹھوس ثبوت پیش کرتی ہے کہ مصنف نے اپنے ذاتی مسائل و مصروفیات کے باوجود ایک مفید، بصیرت افروز اور اخلاقی وروحانی شخصیت کے گونا گوں پہلوؤں کو کتابی صورت میں محفوظ کر دیا ہے۔"

(پروفیسر اکبر مسعود، وائس چانسلر)



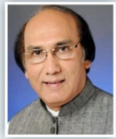
"اعلیٰ زوق، معیاری گفتگو جذبہ خدمت سے مزیّن یہ جوان، صدیوں جیۓ، صحافت، سائنس، تاریخ اور سماجی شعور سے لیس مسٹر بھلیسی ہمارا قیمتی سرمایہ ہے۔ قابل صد مبارک ہیں وہ والدین جنہیں ایسا فرزند نصیب ہوا۔"

(خورشید بسملؔ، تھنہ منڈی)



"مجھے یقین ہے کتاب کی زباں سادہ اور رواں جملے قارئیں کو متاءثر کریں گے اور ڈاکٹر ذاکر کے تخلیقی جوہر مزید نکھر کے ہمارے سامنے آئیں گے۔"

(احمد مسعود، انگلینڈ)



"ذاکر باتوں باتوں میں کب دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے، پتہ ہی نہیں چلتا۔ اُس کا اندازِ گفتگو، ملائم لہجہ، اعتماد اور مقصد سامنے والے کو اُس کے سلسلے میں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔"

(رونق جمال، چھتیس گڑھ)



"میں اُس باکمال اور باصلاحیت شخصیت کی بات کر رہا ہوں جن کا نام ذاکر ملک بھلیسی ہے جو سائنس کے طالب علم رہے ہیں لیکن دنیا بھر میں اردو کی تحریک چلا کر اس زبان کی بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔"

(پرویز مظفر، انگلینڈ)



"ایک آفاقی ذہن رکھنے والے جواں سال انسان دوست ادب پسند شخصیت کا نام ڈاکٹر ذاکر ملک بھلیسی ہے جن کا ادبی، لسانی اور ثقافتی شعور نہایت ہی بالیدہ ہے۔ یہ امتیازی وصف اُن کو وراثت میں ملا ہے"

(ڈاکٹر امتیاز بھلیسی، بھلیسہ)



"ہمارے ذاکر ملک بھلیسی نے اپنی عظمت، اخلاق اور مساوات سے لوگوں کے دلوں کو جیتا ہے اور خطہ پیر پنچال نے بھی ان کے لئے اپنی آغوش محبت کھول دی ہوئی ہے۔ ان کو عزت اور احترام کا بلند مقام عطا کیا ہے"

(ڈاکٹر لیاقت نیّر، اسٹنٹ پروفیسر)

₹ 200/-

JTS Publications
New Delhi